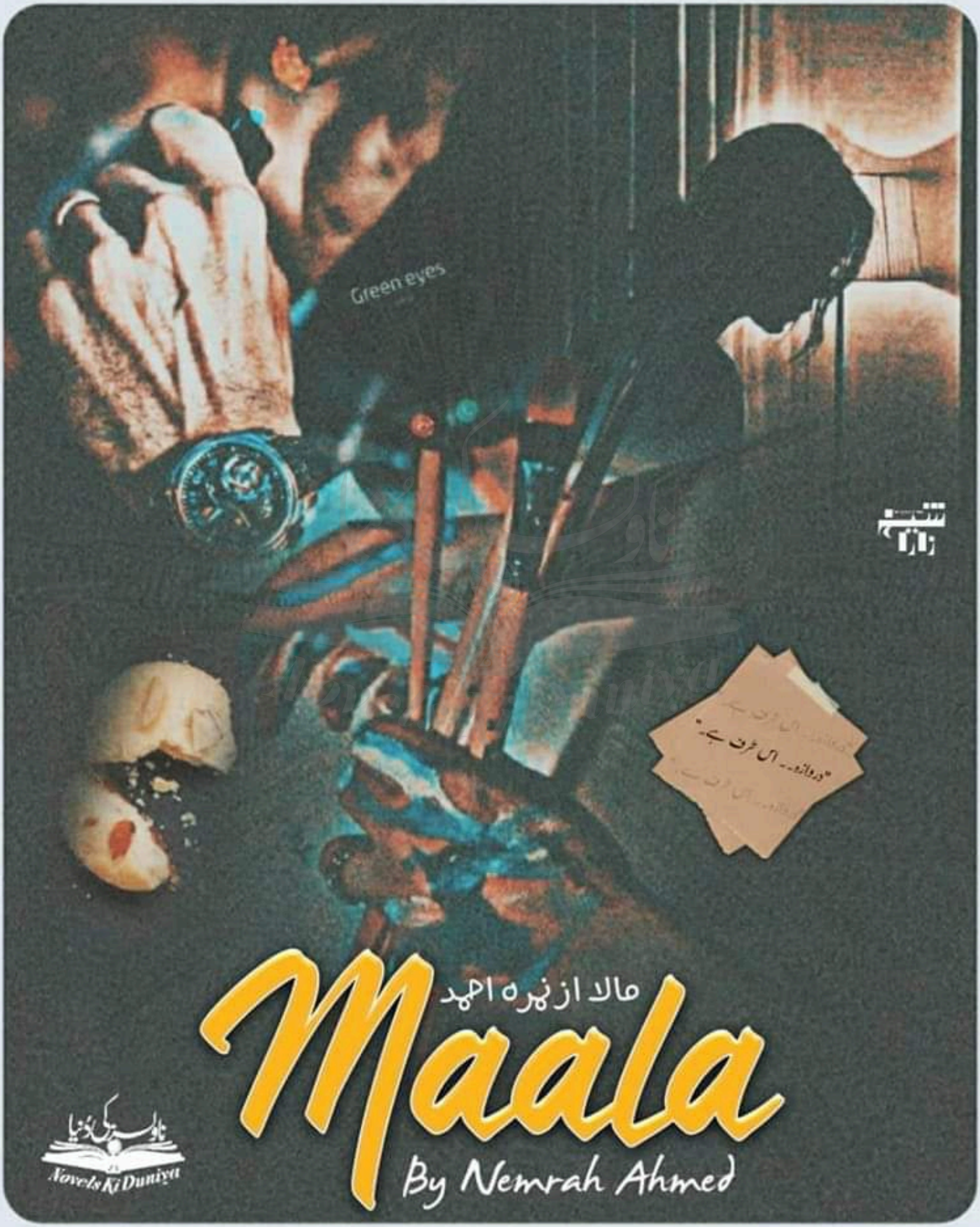

Maala

مالا از نمرہ احمد

By Nemrah Ahmed

ناولز کی دنیا
Novels Ki Duniya

مالا (نمرہ احمد)

حصہ اول "لاہور"

باب اول:

"بس ایک کارکریش ...
کسی مرض کی تشخیص...
ایک غیر متوقع فون کال...
کوئی نیا دریافت شدہ عشق...
یا ایک ٹوٹا ہوا دل...
بس اتنی سی دیر لگتی ہے ہمیں
ایک بالکل مختلف انسان بننے میں...
کتنی خوبصورتی سے نزاکت بھری ہے ہمارے اندر
کہ یہ سب چیزیں بس ایک پل میں
بدل ڈالتی ہیں اس حقیقت کو
کہ ہم کون ہیں..." (سیموئیل ڈیکر تھامپسن)

تاریخ تھی پانچ اپریل۔ شہر تھا اسلام آباد کا۔ اور وقت تھا صبح آٹھ بجے کا۔

ہماری کہانی ایک غیر متوقع فون کال سے شروع ہوتی ہے جو اس صبح کیف جمال کو موصول ہوئی تھی۔

کیف ان دنوں ہر بے روزگار اور ناکام انٹرپرونیئر کی طرح دن چڑھے تک سویا کرتا تھا۔ اور دوپہر سے فجر تک کام کی تلاش میں لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھا کرتا تھا۔ اس وقت بھی وہ گہری نیند میں تھا جب گھنٹی بجی۔ اس نے سوئے ہوئے دماغ کے ساتھ فون کان سے لگایا۔

ناولز کی دنیا
Novels Ki Duniya

نمبر غیر شناسا تھا اور آواز خشک۔ کوئی ادھیڑ عمر مرد تھا جو اسے بتا رہا تھا کہ اس کا باس جو حال ہی میں برطانیہ سے آیا ہے اس سے ملنا چاہتا ہے۔ اس کے پاس کیف کے لیے ایک جاب آفر ہے۔

''کون ہیں آپ کے باس؟'' وہ جمائی روکتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔ آنکھیں مسلیں۔ وقت دیکھا۔

''ماہر فرید۔''

''مگر میں کسی ماہر فرید کو نہیں جانتا۔''

''جان جاؤ گے۔''

ادھیڑ عمر آدمی نے کال کاٹ دی۔

قریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد کیف اوبر میں سوار اس لوکیشن کی طرف جا رہا تھا جو اس نامعلوم شخص نے بھیجی تھی۔

راستے میں اس نے گوگل کا سہارا لے کر ماہر فرید کو کھوجنا چاہا۔ ویسے تو بہت سے لوگ تھے اس نام کے لیکن انگلینڈ سے تعلق رکھنے والا ماہر فرید اسے ایک ہی ملا۔ اس کا کوئی سوشل میڈیا اکاؤنٹ نہیں تھا۔ بس ایک فیس بک گروپ پہ اس کا تذکرہ نظر آیا جو کہ اس کی کاؤنٹی کے چند رہائشیوں کے کمنٹس کی شکل میں تھا۔ کیف دلچسپی سے پڑھے گیا۔

معلوم ہوتا تھا کہ ماہر فرید کسی معروف کاروباری شخصیت کا بیٹا تھا اور اس کو کوئی ذہنی عارضہ لاحق تھا۔ چند برس قبل اس کے اپنے ماں باپ نے اسے ذہنی امراض کے ایک انسٹی ٹیوشن میں داخل کروا دیا تھا۔ وہ ایک مدت وہاں زیرِ علاج رہا تھا۔

یہاں تک پڑھ کے کیف کا دل عجیب سا ہونے لگا۔ لیکن اگلی معلومات زیادہ چونکا دینے والی تھیں۔

کسی نے گوسپ کے انداز میں لکھا تھا کہ جن دنوں ماہر زیرِ علاج تھا' اس کے باپ نے ماہر کو اپنی جائیداد سے بے دخل کرنے کا اعلان کر دیا تھا اور وہ سب کچھ اپنی بیٹی کے نام چھوڑنا چاہتے تھے۔ ابھی وصیت کو قانونی شکل نہیں دی گئی تھی جب ایک کار کریش میں اس کے والد کا انتقال ہو گیا۔ ان کی وفات کے بعد ماہر کی ماں اور بہن ملک چھوڑ کے چلے گئے۔ اور نجانے کیسے لیکن ماہر فرید کے ڈاکٹرز نے اسے کلیئر قرار دے کر ڈسچارج کر دیا۔ یوں وہ واپس اپنے گھر آ گیا۔ اور یقیناً اب وہ اپنے ماں باپ کے تمام اثاثوں کا مالک تھا۔

یہ خبر دو برس پرانی تھی۔

کیف نے مزید سرچ کرنا چاہا لیکن اس کے علاوہ انٹرنیٹ پہ اس شخص کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔

ہوٹل آ چکا تھا۔ یہیں ملاقات طے کی گئی تھی۔ ایک لمحے کے لیے کیف جمال کا دل چاہا کہ وہ واپس پلٹ جائے۔ لیکن کیا معلوم یہ کوئی اور ماہر فرید ہو؟ ایک دفعہ ملنے میں کیا حرج ہے؟

چند منٹ بعد وہ لفٹ میں سوار تھا جو اسے چوتھے فلور کی طرف لے کر جا رہی تھی۔

(شاید مجھے بہتر حلیے میں آنا چاہیے تھا۔) لفٹ کے قد آور آئینے میں اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے اس نے سوچا۔

کیف ایک خوش شکل نوجوان تھا۔ البتہ اس کا حلیہ بے پرواہ سا تھا۔ ماتھے پہ بکھرے بال۔ بڑھی ہوئی شیو۔ جینز کے نیچے سفید جوگرز جو مٹیالے ہو چکے تھے۔ پوری آستین کی چیک والی شرٹ جس کے بٹن کھلے تھے اور نیچے پہنی سفید شرٹ جھلکتی تھی۔ اس نے بالوں میں ہاتھ پھیر کے انہیں درست کرنا چاہا لیکن کوئی فائدہ نہ تھا۔

چوتھے فلور پہ وہ لفٹ سے نکلا تو سامنے مرمریں راہداری تھی۔ فاصلے فاصلے پہ کمروں کے دروازے تھے۔

کیف نے گردن اٹھا کے ہوٹل کی شان و شوکت کو دیکھا۔ یہاں رہائش پذیر انسان کو اس سے کیا کام ہو سکتا تھا؟

کیف جمال ایک ناکام آنٹرپرونیئر ہونے کے علاوہ ایک ایونٹ فوٹوگرافر بھی تھا جس کو لوگ عموماً انسٹاگرام یا فیس بک کے ذریعے ہائر کیا کرتے تھے۔ اس جیسے اس شہر میں سینکڑوں دوسرے فوٹوگرافرز بھی تھے۔ پھر ماہر فرید نے اسے ہی کیوں بلایا؟

کمرے کا دروازہ ایک ادھیڑ عمر شخص نے کھولا۔ وہ بادامی رنگ کے سوٹ میں ملبوس تھا اور اس کے بال اتنے سفید تھے کہ سلور لگتے تھے۔ اس نے سپاٹ تاثرات کے ساتھ سر سے پیر تک کیف کا جائزہ لیا۔ پھر خوش آمدید کہہ کے راستہ چھوڑ دیا۔ وہ آواز سے پہچان گیا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے اسے کال کی تھی۔ ماہر فرید کا مینیجر۔

کیف تیز ہوتی دھڑکن کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ سوئیٹ کافی وسیع اور شاندار تھا۔ سارے میں لیونڈر اور موتیے کی خوشبو پھیلی تھی۔ دیوار گیر کھڑکی کے پردے ہٹے ہوئے تھے اور باہر پھیلی روشن صبح دکھائی دیتی تھی۔

کھڑکی کے آگے رکھے بڑے صوفے پہ ایک آدمی ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے کیف کو اندر آتے دیکھ رہا تھا۔ گرے پینٹ اور سفید شرٹ پہ چارکول ویسٹ پہنے' وہ ایک بازو صوفے کی پشت پہ پھیلائے ہوئے تھا۔ پیچھے سے آتی روشنی میں اس کے کف لنکس چمک رہے تھے۔

وہ اس کی توقع سے زیادہ جوان اور وجیہہ تھا۔ کلین شیو چہرہ' جیل سے سیٹ بال' اور پرکشش آنکھیں۔ نہ چاہتے ہوئے بھی کیف کا دل مرعوبیت سے بھر گیا۔ اس نے جس طرح کے شخص کا خاکہ ذہن میں بنایا تھا' یہ آدمی اس سے کہیں مختلف اور شاندار تھا۔

''آؤ کیف۔ میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔'' بے تکلفی سے مسکرا کے ماہر فرید نے خالی صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جما کے بیٹھنے سے ماہر کا ایک بوٹ فضا میں تھا۔ اس بوٹ کی سیاہ چمکیلی سطح پہ کیف کا عکس نظر آ رہا تھا۔

''آپ یقیناً ماہر فرید ہیں۔'' وہ سنجیدگی سے کہتے ہوئے بیٹھا۔

دونوں کے درمیان شیشے کی میز تھی جس پہ لیدر کور والی بھوری ڈائری رکھی تھی۔ کچھ تھا اس کمرے کی فضا میں جو اعصاب پہ سوار ہوتا تھا۔ لیونڈر اور موتیے کی خوشبو اب محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ خاموش کمرے میں واحد آواز ماہر فرید کے ناخنوں سے آ رہی تھی جنہیں وہ صوفے کے ہتھے سے عادتاً رگڑ رہا تھا۔

کیف نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس شخص کی امارت اور وجاہت کے رعب میں نہیں آئے گا۔ کھنکھار کے پوچھا۔

''آپ مجھ سے کس سلسلے میں ملنا چاہتے تھے؟''

''تمہیں کیا لگتا ہے میں تم سے کیوں ملنا چاہتا تھا؟'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کے پوچھنے لگا۔

''میں ایک فوٹوگرافر ہوں اور لوگ مجھے فوٹوگرافی کے لیے ہی بلاتے ہیں۔'' اس نے سادگی سے جواب دیا۔

ماہر نے صوفے کی پشت سے بازو ہٹایا اور دونوں ہاتھ باہم پھنسا لیے۔ نظریں ہنوز اس کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔

''صرف فوٹوگرافر؟ اونہوں۔'' اس نے دائیں سے بائیں گردن ہلائی۔ ''تم ایک انٹرپرونیئر بھی ہو۔ ناکام انٹرپرونیئر۔ تم نے اپنا بزنس شروع کیا تھا۔ بلکہ ایک نہیں، تم نے بہت سے کام شروع کر کے چھوڑے ہیں۔ بہت سی نوکریاں بھی کی ہیں۔''

کیف نے چونک کے اسے دیکھا۔ پھر مینیجر کو۔ یہ بات غیر متوقع تھی۔ اس کے ابرو اکٹھے ہوئے۔

''آپ میرے بارے میں اتنا کچھ کیسے جانتے ہیں؟''

''زیادہ نہیں جانتا۔'' ماہر پیچھے کو ہوا اور کندھے بے پرواہی سے اچکائے۔ ناخن پھر سے صوفے کے ہتھے سے رگڑنے لگا۔ ''بس اتنا معلوم ہے کہ تمہارا آخری کاروبار نہ صرف ناکام ہوا ہے بلکہ اس نے تمہیں بہت سے قرضوں میں ڈبو دیا ہے۔ اب حال یہ ہے تمہارا کیف کہ جن لوگوں کے پیسے تم نے ڈبوئے تھے، وہ تمہاری جان کو آئے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک تمہاری بہن کا شوہر بھی ہے۔ تمہاری فیملی لائف اس بات سے کتنی متاثر ہو رہی ہوگی، میں سمجھ سکتا ہوں۔''

کیف کے ماتھے پہ شکن پڑی۔ جسم کے سارے اعصاب تن سے گئے۔ ''آپ لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟''

اس نے باری باری ان دونوں کو دیکھا۔

''میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔'' ماہر فرید اس کی آنکھوں میں جھانک کے مسکرایا۔ اسے انٹرنیٹ پہ پڑھی باتیں یاد آئیں۔ کیا یہ کسی سائیکو پیتھ کی آنکھیں تھیں؟

''کیسے؟'' (وہ پوچھنا چاہتا تھا ''کیوں'' لیکن منہ سے کیسے پھسل گیا۔ کیا وہ مدد کے لیے اتنا بے تاب تھا؟)

''میرے پاس تمہارے لیے ایک جاب ہے۔''

کیف کے اندر کسی نے سرگوشی کی۔ ابھی بھی وقت ہے' یہاں سے بھاگ جاؤ کیف۔ ورنہ تم کسی مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔ لیکن وہ نہیں بھاگ سکا۔ مجبوریوں نے اس کے قدم زنجیر کر رکھے تھے۔ اسے اس پراسرار شخص کی آفر سننی تھی۔

''اگر تم چند ماہ تک میرے لیے کام کرو تو میں تمہارے سارے قرضے بھی اتروا دوں گا' اور اگر تم دوبارہ کاروبار کرنا چاہو تو اس کو سیٹ کرنے میں تمہاری مدد بھی کروں گا۔ یہ میرے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔ اتنا تو تم میرے بارے میں جان چکے ہو گے۔''

اس کے لہجے کی ہمدردی بھی کیف کو مصنوعی لگی۔ کچھ ناقابلِ اعتبار سا تھا اس شخص کے بارے میں۔

''مجھے کیا کرنا ہوگا؟''

ماہر فرید کے چہرے پہ بھرپور مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے ایک گہری سانس باہر کو خارج کی۔ (بالآخر۔) اس نے میز پہ رکھی بھورے لیدر کور کی ڈائری اٹھائی۔ دو انگلیوں سے ڈائری کے اندر سے ایک تصویر نکالی اور سامنے رکھی۔

کیف نے نظریں جھکا کے دیکھا۔

وہ ایک لڑکی کی تصویر تھی۔ چہرے کا کلوز اپ۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ اس کی آنکھیں سبز تھیں اور بھورے بال ڈھیلے جوڑے میں بندھے تھے۔ وہ ایک بے داغ' شفاف سا چہرہ تھا۔ ایسے چہرے انسان ہر روز نہیں دیکھتا۔

''تم اس لڑکی کو جانتے ہو؟''

کیف نے نفی میں گردن ہلائی۔

''یہ تمہاری کزن صفورا کی دوست ہے۔''

''او کے۔'' کیف نے الجھ کے اسے دیکھا۔ صفورا اس کی امیر سیکنڈ کزن تھی۔ مہینوں بعد اس سے ملاقات ہوا کرتی' اور اس میں بھی صفورا اس کو اسٹیبلیش ہونے کے لیکچرز دیتی تھی۔ تنگ آ کے اس نے صفورا کی فیملی سے ملنا ہی

چھوڑ رکھا تھا۔

''صفورا نے اپنی اس دوست (تصویر اٹھا کے دکھائی) کو دو تین دفعہ سیکیورٹی گارڈز رکھوا کے دیے ہیں لیکن اس لڑکی کے پاس زیادہ دن تک کوئی گارڈ نہیں ٹکتا۔ پچھلے ہفتے اس نے پھر سے صفورا سے کوئی قابلِ بھروسہ گارڈ ڈھونڈنے کے لیے کہا ہے۔''

سفید بالوں والا مینیجر اس دوران باری باری ان دونوں کو دیکھ رہا تھا جیسے ٹینس کے میچ میں گیند کا نظروں سے تعاقب کر رہا ہو۔

''او کے؟'' کیف ابھی تک سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

''تم' کیف... تم اپنی کزن صفورا سے کہو گے کہ وہ اس لڑکی سے تمہاری سفارش کرے اور تمہیں اس کے پاس گارڈ کی جاب دلوا دے۔ ویسے بھی تم نے چند برس پہلے ایک سیکیورٹی کمپنی میں دو ماہ کے لیے کام کیا تھا۔ تمہارے پاس تجربہ بھی ہے اور تمہیں ضرورت بھی ہے۔ مجھے امید ہے صفورا تمہیں انکار نہیں کرے گی۔'' تصویر رکھی اور مسکرا کے کندھے اچکائے۔ ''بس اتنا سا کام ہے۔''

بالآخر معاملہ کیف کی سمجھ میں آنے لگا۔

''آپ... آپ چاہتے ہیں کہ میں صفورا کی دوست کا گارڈ بن جاؤں۔ اس کا اعتماد حاصل کروں۔ مگر کیوں؟''

ماہر فرید کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ چہرے پہ سختی در آئی۔

''ایسے کاموں میں کیوں نہیں پوچھتے۔ کام کی قیمت پوچھتے ہیں۔'' ابرو اٹھا کے سرد لہجے میں تنبیہ کی۔

چند لمحے کے لیے سٹنگ روم میں سناٹا چھا گیا۔ ساری خوشبوئیں مر گئیں۔ اب صرف ایک احساسِ یرغمالی تھا۔

''دیکھیں...'' وہ قدرے دھیمے لہجے میں بولا۔ ''مجھے اتنا تو بتائیں کہ مجھے اس کے پاس جاب کر کے کیا کرنا ہے؟ میرا مقصد کیا ہوگا؟ میں کوئی برا انسان نہیں ہوں۔ ٹھیک ہے میرے مسئلے ہیں لیکن میں کچھ غلط نہیں کرنا چاہتا۔''

ماہر فرید نے بدمزہ ہو کے مینیجر کو دیکھا۔ ''بہت بولتا ہے یہ۔''

مینیجر نے ہلکے سے شانے اچکا دیے۔ پھر کوٹ کی جیب سے ایک پرچی نکال کے کیف کے سامنے رکھی۔ اس پہ ایک رقم درج تھی۔

کیف نے رقم کے ہندسے پڑھے۔ پھر صفر گنے۔ ایک بار۔ دو بار۔ اس کی آنکھیں تعجب سے پھیلیں۔ نظریں اٹھا

کے تذبذب سے ماہر کو دیکھا۔

''بدلے میں آپ کیا چاہتے ہیں؟''

''اتنے پیسے کوئی نیک کام کے لیے نہیں دیا کرتا' کیف۔'' وہ سپاٹ سے انداز میں بولا۔

کیف نے پرچی پہ درج رقم دوبارہ پڑھی۔ پھر سر جھکا دیا۔ اتنا کہ تھوڑی سینے سے لگنے لگی۔

''کسی لڑکی کا گارڈ بننے کا مطلب ہے سایے کی طرح اس کے ساتھ رہنا۔ اس پہ نظر رکھنا۔ اس کو نقصان پہنچانا۔ یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔''

سر ہنوز جھکا ہوا تھا۔

ماہر فرید کچھ دیر اس کے جھکے سر کو گھورتا رہا۔ پھر وہ اٹھا اور ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔ کیف نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

وہ صوفے کے پیچھے چلا گیا اور کھڑکی کے سامنے چکر کاٹنے لگا۔ دائیں سے بائیں۔ پنڈولم کی طرح۔ وہ جیسے کچھ سوچ رہا تھا۔ پھر قدم روک کے دور بیٹھے کیف کو دیکھا۔

''ٹھیک ہے۔ نہ مانو میری بات۔ پھر کیا کرو گے؟'' اس کی آواز میں نرمی تھی جیسے سمجھا رہا ہو۔ ''کاروبار میں نقصان اور قرضوں نے تمہاری سوشل لائف ختم کر کے رکھ دی ہے۔ مرد کا معاشی طور پہ اسٹیبلشڈ نہ ہونا اس کی عزت آدھی کر دیتا ہے۔ وہ لوگوں سے ملنا چھوڑ دیتا ہے۔ لاؤنج لزرڈ lounge lizard بن جاتا ہے۔ گھر سے نہیں نکلتا اور نکلتا ہے تو ایسے جوتے پہن کے۔''

کیف نے چونک کے اپنے جوتوں کو دیکھا۔ سفید جوگرز اب مٹیالے ہو چکے تھے۔ اس نے پیر قدرے پیچھے کیے لیکن وہ ان کو چھپا نہیں سکتا تھا۔

''دوسری طرف میری آفر ہے۔'' ماہر فرید واپس اس کے سامنے آ کے بیٹھا۔ ''میرے لیے صرف دو ماہ کام کرو۔ صرف دو ماہ۔ اور ساتھ اپنی فوٹوگرافی جاری رکھو اور اپنا نیا بزنس پلان بناؤ۔ دو ماہ ختم ہوتے ہی میں تمہارا بزنس خود سیٹ کروا دوں گا۔ مارکیٹنگ' نیٹ ورکنگ' میری ٹیم سب کر لے گی۔ صرف دو ماہ۔'' وکٹری کی دو انگلیاں بنا کے دکھائیں۔

''آپ اپنا کام کسی سے بھی کروا سکتے ہیں۔ پھر میں ہی کیوں؟''

ماہر فرید پیچھے کو ہوا اور ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔ اب کے وہ بولا تو آواز میں برہمی تھی۔ ''تم میرا کام کرو گے یا

نہیں؟''

کیف جمال کا چہرہ ہلکا سا سرخ ہوا۔''اوہ۔آپ جلدی میں ہیں؟ اگر میں جا کے صفورا کو بتا دوں کہ کوئی اس کی دوست کو اسٹالک کرنے کی کوشش کر رہا ہے تو؟''

وہ کیف کو چند ثانیے دیکھتا رہا۔پھر ایک دم سے ہنس پڑا۔اور نفی میں سر ہلایا۔

''تم یہ نہیں کرو گے۔''یہ کہتے ہوئے اس نے تصویر اٹھائی۔کیف کو تصویر کی پشت نظر آئی۔وہاں کچھ لکھا تھا۔پانچ الفاظ۔

''آپ کو کیسے معلوم کہ میں یہ نہیں کروں گا؟''وہ متعجب ہوا۔

ماہر فرید نے جواب نہیں دیا۔اس نے لیدر ڈائری کھولی۔کیف کی نظریں نیچے جھکیں۔وہ جسے ڈائری سمجھ رہا تھا'وہ دراصل فوٹو البم تھی۔اگلے ہی لمحے اس کا سانس رک گیا۔

پہلے صفحے پہ اوپر نیچے دو تصاویر تھیں۔اوپری تصویر ایک سیاہ بالوں والی لڑکی کی تھی۔وہ اس میں مسکرا رہی تھی۔

نچلی تصویر اسی لڑکی کی تھی لیکن اس کی آنکھیں نیلوں نیل تھیں۔پیشانی زخمی تھی اور... پلکیں بند تھیں۔وہ شاید کسی لاش کی تصویر تھی۔

وہ آہستہ آہستہ صفحے پلٹانے لگا۔ہر صفحے پہ اوپر ایک لڑکی کی زندگی سے بھرپور تصویر ہوتی اور نیچے زخمی یا لاش جیسے تصویر۔تصویریں مختلف لڑکیوں کی تھیں۔

اس نے چھٹا صفحہ پلٹایا تو وہ خالی تھا۔اس نے اوپری خانے میں سبز آنکھوں والی لڑکی کی تصویر ڈال دی۔

نیچے جگہ ابھی خالی تھی۔

کیف اپنی جگہ سے ہل نہیں سکا۔اطراف میں ساری خوشبوئیں دم توڑ گئی تھیں۔اب صرف کافور کی بو تھی جو اندر باہر پھیلی تھی۔

ماہر فرید نے کھلی ہوئی البم پرے دھکیلی اور نظریں اٹھا کے کیف کو دیکھا۔پھر اس نے دو فقرے بولے۔وہ دو فقرے اس کی ساری گفتگو پہ بھاری تھے۔کیف جمال نے رکی ہوئی سانس خارج کی۔پرچی پہ لکھے صفر گنے۔یہ اس کے قرضے اتارنے کے لیے کافی تھے۔اور ان دو فقروں کے بعد اس کے پاس انکار کی گنجائش نہیں تھی۔صرف دو ماہ کے لیے وہ یہ کام کر سکتا تھا۔

''میں تیار ہوں۔''

ماہر فرید مسکرایا۔ ''گڈ بوائے۔'' پھر مینیجر کو اشارہ کیا۔ اس نے جیب سے ایک پھولا ہوا لفافہ نکال کے کیف کے سامنے رکھا۔

''یہ کام کے علاوہ ہیں۔ صرف اس لیے کہ تم نئے جوتے خرید سکو۔ آئندہ کسی ورک میٹنگ پہ ایسے جوتے پہن کے مت آنا۔'' نرمی سے تنبیہہ کی۔ ''اب تم جاؤ۔ مالک تم سے خود رابطہ کرلے گا۔'' سفید بالوں والے کی طرف اشارہ کیا۔

کیف نے ایک ملامتی نظر اس پہ ڈالی' پیکٹ اٹھایا اور وہاں سے اٹھ گیا۔

''مجھے اس لڑکے پہ اعتبار نہیں ہے' ماہر۔'' اس کے جاتے ہی مالک ناخوشی سے بولا۔

''اعتبار تو مجھے تم پہ بھی نہیں ہے۔ لیکن ہم ساتھ کام کر رہے ہیں نا۔'' وہ عام سے لہجے میں کہتے ہوئے اٹھا اور کھڑکی کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ دوپہر کی سنہری روشنی سیدھی اس کے چہرے پہ پڑنے لگی۔ ماہر نے آنکھیں بند کر لیں۔

''ماہر...'' مینیجر نے پکارا۔ ''انتقام کے سفر پہ نکلنے والے کو چاہیے کہ وہ دو قبریں کھود لے۔ ایک دشمن کی اور ایک خود اپنی۔''

''یہ Confucius نے کہا تھا۔ اور جانتے ہو اسے کیا چیز قبر تک لے گئی تھی؟ اپنے بیٹوں کی موت کا غم۔'' وہ آنکھیں بند کیے کہہ رہا تھا۔ سرد سی سرگوشی میں۔ ''موت سے بڑا کوئی غم نہیں ہے' مالک۔''

میز پہ البم یونہی کھلا رکھا تھا۔ مالک نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔ پھر ہاتھ بڑھا کے چھٹا صفحہ پلٹایا تو سبز آنکھوں والی لڑکی کی تصویر کی پشت دکھائی دینے لگی۔

وہاں اردو میں لکھا تھا۔

''حورِ جہاں کی بیٹی کشمالہ۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تاریخ تھی گیارہ اپریل اور شہر تھا اسلام آباد کا۔

آج کا دن اہم تھا کیونکہ آج کشمالہ کی زندگی بدلنے جا رہی تھی۔ لیکن اپنی صبح کا آغاز کرتے ہوئے اسے اس بات کا علم نہیں تھا۔

کسی کو بھی نہیں ہوتا۔

وہ بیڈروم میں آئینے کے سامنے کھڑی کانوں میں ٹاپس پہن رہی تھی جب موبائل کی مخصوص ٹون بجی۔ وہ مسکرا دی۔ یقیناً ماں کا فیملی گروپ پہ میسج آیا ہوگا۔ وہ بھی گڈ مارننگ کا۔ ماں ایک ہی میسج اپنے تینوں بچوں کو فیملی گروپ اور پرسنل چیٹ پہ الگ الگ بھیجتی تھیں۔ اس نے ٹاپس پہن کے موبائل اٹھایا اور میسج کھولا۔

ماں نے گڈ مارننگ کے ساتھ پوچھا تھا کہ کیا وہ ویک اینڈ پہ عزہ کی شادی کے لیے لاہور آئے گی؟

''کل بتاؤں گی ماں۔'' اس نے مبہم سا جواب بھیج دیا۔ یہاں ریستوران میں اتنے کام پڑے تھے۔ وہ کیسے جائے گی لاہور؟ وہ کل معذرت کر لے گی۔

اپنی تیاری مکمل کر کے اس نے سر سے پیر تک آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔ اس نے نیوی بلیو لمبی قمیض کے ساتھ ہم رنگ دوپٹہ کندھے پہ ڈال رکھا تھا۔ بین گلے سے گردن میں پہنا ننھا سا ڈائمنڈ لاکٹ جھلک رہا تھا۔ پیروں میں زرد ہائی ہیلز تھیں۔ لمبے بھورے بال فرنچ جوڑے میں بندھے تھے۔ بیضوی چہرہ گلابی سفید سا تھا جیسے عموماً پٹھان لڑکیوں کا ہوتا ہے۔ اور آنکھیں سبز تھیں جن کے گرد لائنر لگا تھا۔ جیسے سیاہ پیالے میں سبز پانی ہو۔

اس نے چہرہ دائیں بائیں گھما کے دیکھا۔ اسکن بے داغ تھی۔ کوئی ایک پمپل بھی نہ تھا۔ اس نے جوڑے سے دو لٹیں نکالیں اور انگلی سے رول کر کے چھوڑ دیں۔ وہ چہرے کے دونوں اطراف میں ٹھہر گئیں۔ اپنے عکس کو دیکھ کے مسکرائی۔ وہ کام پہ جانے کے لیے تیار تھی۔

ماں ہوتیں سامنے تو کہتیں کہ ان کی کوئی بیٹی حسن میں ان پہ نہیں گئی۔ کہاں اپنے زمانے کی حسین ترین حورِ جہاں بیگم۔ اور کہاں ماہ بینہ اور کشمالہ۔ ایک تو ماں کی جج مینٹل آواز ہمیشہ ذہن کے پسِ منظر میں گونجتی تھی۔ چاہے سارا زمانہ کہے کہ ماہی (ماہ بینہ) اور مالا (کشمالہ) جیسا حسین کوئی نہ تھا' ماں نے نہیں ماننا تھا۔ وہ ماں کو یاد کر کے زیرِ لب مسکراتی ہوئی کھڑکی تک آئی۔

کھڑکی میں تین ننھے گملے رکھے تھے۔ ان میں سٹیپیلیا' بیگونیا اور ہیورتھیا اُگے تھے۔ کشمالہ نے چہرہ ان کی سطح تک جھکا کے دیکھا۔ باقی دونوں کی نئی گروتھ نظر آ رہی تھی۔ مگر ہیورتھیا کے پتے بھورے ہو رہے تھے۔ شاید روشنی اس کے لیے تیز تھی۔ اس نے پودے کو ذرا پیچھے کر دیا۔

وہ باہر جانے کے لیے لاؤنج میں آئی۔ کونے میں رکھی ورک ٹیبل سے زرد ہینڈ بیگ اور لیپ ٹاپ اٹھایا۔ پھر بیرونی دروازے کی طرف بڑھی۔ تبھی نگاہ میں کچھ کھٹکا۔ کشمالہ کے قدم زنجیر ہوئے۔ گردن دھیرے سے دائیں

جانب موڑی۔

دیوار گیر بک شیلف میں ایک موٹی سی کتاب کی جگہ خالی تھی۔

کشمالہ کی نگاہوں نے نیچے میز تک کا سفر کیا۔ وہاں ایک دبیز ڈکشنری رکھی تھی۔

یہ شیلف سے نیچے کیسے آئی؟

اس نے چونک کے ٹیرس کے دروازے کو دیکھا۔ وہ بند تھا۔ کھڑکیاں بھی اندر سے مقفل تھیں۔

اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ رات کو جب میں گھر آئی تھی' تب یہ کتاب اپنی جگہ پہ تھی یا نہیں؟ مگر کچھ یاد نہ آیا۔

اس نے سر جھٹکا۔ خیر کوئی بات نہیں۔ صفورا نے کہا تھا کہ وہ نئے گارڈ کے لیے کسی کو آج بھیج رہی ہے۔ گارڈ آجائے گا تو یہ مسئلہ نہیں ہوگا۔ اسے ابھی اس معاملے کی فکر نہیں کرنی تھی۔ اسے اپنے نئے بزنس پلان پہ فوکس کرنا تھا۔

اور اس بارے میں سوچتے ہی مالا کے لبوں پہ ایکسائٹمنٹ بھری مسکراہٹ بکھر گئی۔

وہ بیرونی زینے اترتے ہوئے نیچے آئی۔ وہ ماموں کے گھر کی بالائی منزل پہ بطور پے انگ گیسٹ رہتی تھی۔ ماموں ممانی اور ان کی فیملی نیچے رہتے تھے۔ دونوں کی ملاقات ہفتوں بعد ہوا کرتی تھی۔

باہر ہوا ٹھنڈی تھی اور آسمان پہ سیاہ بادل تھے۔ آج خوب بارش برسی تھی۔ کچن کے جالی دار دروازے سے ناشتے کی مہک پورچ تک آرہی تھی۔ وہ دروازے پہ رکی اور جالی سے اندر جھانکا۔ نسرین کام کرتی دکھائی دے رہی تھی۔

''نسرین... کل میرے پورشن میں کوئی آیا تھا؟''

''نہیں باجی۔ کوثر تو چھٹی پہ ہے دو دن سے۔'' اس نے صفائی والی لڑکی کا نام لیا۔

کشمالہ پورچ کی طرف بڑھ گئی۔ البتہ اس کی سوچتی نظروں نے گیٹ اور لان کا جائزہ ضرور لیا تھا۔ کون تھا جو اس کی غیر موجودگی میں اس کے پورشن میں آتا تھا؟ بلکہ نہیں۔ اسے ابھی اس بارے میں نہیں سوچنا تھا۔ اسے آج ظہیر کو اپنے نئے بزنس پلان کی پریزنٹیشن دینی تھی۔ اسے اپنی توانائی برقرار رکھنی تھی۔

ظہیر اس کا کلاس فیلو تھا۔ دونوں نے لاہور میں ایک ساتھ گریجویٹ کیا تھا۔ پھر ظہیر اسلام آباد واپس آگیا۔ کشمالہ کے پاس آئیڈیاز تھے اور ہمیشہ ہی ہوتے تھے۔ اور ظہیر کے پاس سرمایہ تھا جو کشمالہ کے پاس نہیں تھا۔ ابا بچپن میں ہی کہیں اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔ سعودیہ میں جاب کرتے تھے۔ بچوں سے تعلق نہ ہونے کے

برابر تھا۔ چار سدہ میں ان کی زمینیں اور باغ تھے۔ ابا کی وفات کے بعد بھی ماں نے کبھی نوکری نہیں کی۔ صرف حساب کتاب کیے۔ زمینوں اور ٹھیکوں کے رجسٹر سنبھالے۔ لیکن اپنے تینوں بچوں کو ایک اچھی زندگی اور اعلیٰ تعلیم فراہم کر دی۔

ماہی آرکیٹیکٹ تھی۔ معید ڈاکٹر بن چکا تھا۔ اور کشمالہ کو ہمیشہ سے ''اپنا کام'' کرنے کا شوق تھا۔

لیکن پانچ سال پہلے جب اس نے اپنا کام شروع کرنے کا سوچا تو اس کے پاس سرمایا نہیں تھا۔ ان دنوں ماں کو بھی ماہ بینہ (ماہی) کی شادی کرنی تھی۔ گو کہ ماہی اس سے چھوٹی تھی لیکن اس کی عباد سے منگنی برسوں سے طے تھی۔ عباد ان کی سگی خالہ کا بیٹا تھا۔ کشمالہ ان حالات میں ماں پہ بوجھ نہیں ڈال سکتی تھی۔ سو اس کو ظہیر کی انویسٹمنٹ کی ضرورت تھی۔

یوں پانچ برس پہلے ظہیر اور اس نے مل کے ایک بزنس کی بنیاد رکھی۔ ظہیر کی انویسٹمنٹ اور مالا کے آئیڈیاز اور محنت۔ اس وقت جو ناممکن لگتا تھا' وہ پانچ برس بعد شہر کے معروف اور ایلیٹ ریسٹورانٹس میں شمار ہونے لگا تھا۔

اوشن۔ Ocean

اور اوشن (ریستوران) کے لیے اس نے پانچ برس پہلے لاہور چھوڑ دیا تھا۔ ماں اس فیصلے سے خوش نہیں تھیں لیکن انہوں نے کبھی منع نہیں کیا۔ ہمیشہ ساتھ دیا۔ معید میڈیکل پڑھ رہا تھا اور ماں کے ساتھ ہوتا تھا۔ پھر ماہی اور عباد بھی اسی کالونی میں رہتے تھے۔ یوں ماں کو اس کی ضرورت نہ تھی۔

ایک سال پہلے عباد کی کینیڈا میں جاب لگ گئی تھی۔ پہلے وہ گیا اور پھر چھے ماہ پہلے ماہی بھی کینیڈا چلی گئی۔ ماں کے پاس صرف معید تھا جو سرجری میں ٹریننگ کر رہا تھا۔ ایک احساس ہوتا تھا کہ ماں قدرے اکیلی ہو گئی ہوں گی۔ وہ سوچتی بھی تھی کہ ہر دوسرے ویک اینڈ پہ لاہور جایا کرے گی۔ لیکن لاہور جاتے جاتے اسے ایک ڈیڑھ ماہ گزر جایا کرتا تھا۔ اور اب... اب وہ اوشن کے لیے ایک نئے بزنس پلان پہ کام کرنے جا رہی تھی۔ اب تو شاید وہ چھے ماہ بعد لاہور جا سکے گی۔

یہ نیا آئیڈیا اسے چند ہفتے قبل آیا تھا۔ اوشن کے پیچھے کچھ جگہ خالی تھی جو ظہیر کی ملکیت تھی۔ پلان یہ تھا کہ وہ دونوں مل کے وہاں ایک بیکری بنائیں۔ لیکن وہ ایک منفرد طرز کی بیکری ہو گی۔ اور اس دفعہ کشمالہ خود بھی انویسٹ کرے گی۔ اس نے ابھی ظہیر کو اس بارے میں نہیں بتایا تھا۔ وہ ایک ہی دفعہ پوری تیاری کے ساتھ اسے پریزنٹیشن کے ذریعے بتانا چاہتی تھی تاکہ وہ انکار نہ کر سکے۔

ڈرائیو کرتے ہوئے وہ مسلسل مسکرا رہی تھی۔ دفعتاً موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ جانتی تھی اس وقت کس کی ویڈیو کال آسکتی تھی۔ اس نے ہولڈر میں لگے فون کا بٹن دبایا۔ اسکرین پہ ویڈیو کال روشن ہوگئی۔

''کیسی ہو ماہی؟''

''ہمیشہ کی طرح خوبصورت۔'' ماہی کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔ مالا نے اسٹیئرنگ گھماتے ہوئے مسکرا کے موبائل اسکرین کو دیکھا۔ وہاں ماہی نظر آرہی تھی۔ کینیڈا میں اس وقت رات تھی۔ ماہی کچن کاؤنٹر کے پیچھے کھڑی جوسر کے جگ سے جوس گلاس میں انڈیل رہی تھی۔ گوری رنگت' گلابی گال' اور بھوری آنکھوں والی ماہی ایک کیوٹ سی پٹھان لڑکی تھی۔ بال چھوٹے اور باب اسٹائل میں کٹے تھے۔ ایک طرف سے کان کے پیچھے اڑسے ہوئے۔ اور دوسری طرف گال پہ آگے کو گرتے ہوئے۔ یہ ماہی کا سگنیچر ہیئر کٹ تھا جس کو وہ کبھی نہیں بدلتی تھی۔

''تم نے ظہیر کو اپنا بزنس پلان دکھانا ہے نا آج۔ سوچا تمہیں وش کر دوں۔'' ماہی جگ سے گلاس میں جوس انڈیلتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''تھینک یو ماہی۔ اور تم ٹھیک ہو؟ اپنا خیال رکھتی ہو نا؟''

''مجھے چھوڑو۔ ظہیر کا بتاؤ۔ وہ مان جائے گا نا؟'' ماہی کچن اسٹول پہ بیٹھی۔ کہنیاں کاؤنٹر پہ رکھیں اور جوس کا گلاس کہنیوں کے درمیان رکھا۔ پھر اسٹرا ہونٹوں کے بیچ ڈال کے گھونٹ بھرا۔

''وہ بزنس مین ہے۔ اتنے اچھے آئیڈیا کو ناں نہیں کہے گا۔''

''تم نا ظہیر پہ زیادہ ہی ٹرسٹ کرتی ہو۔'' اسٹرا ہٹا کے اس نے خفگی سے کہا۔ آنکھیں شکی انداز میں چھوٹی ہوئیں۔ ''وہ دل کا شیخ ہے۔ میں بتا رہی ہوں وہ تمہیں انویسٹ نہیں کرنے دے گا۔ سارا پرافٹ اور کنٹرول اسے خود چاہیے۔''

کشمالہ ڈرائیو کرتے ہوئے مسکرا دی۔ ''کیوں اتنا شک کرتی ہو لوگوں پہ؟''

''تم جو بھی کہو... لیکن ماہی کی جج منٹ کبھی غلط نہیں ہوتی۔'' فخر سے کالر جھٹکا۔

کشمالہ مسکرا دی۔ ماہی ایسی ہی تھی۔ ماں کے مطابق ان کی سب سے زیادہ سمجھدار اولاد۔ اور مالا کے مطابق سب سے زیادہ شک کرنے والی۔ وہ خود اس کے برعکس تھی۔ سب پہ بھروسہ کرنے والی۔ لوگوں کو چانس دینے والی۔ اسی لیے اسے امید تھی ظہیر مان جائے گا۔

''مالا...'' ماہی کہتے کہتے رکی۔ کشمالہ اپنی بہن کو اتنے اچھے سے جانتی تھی کہ اسے معلوم تھا وہ اب کیا بات

کرنے جا رہی ہے۔

''پھر تو کچھ نہیں ہوا نا۔''

''نہیں۔ اب میں چلتی ہوں۔ اوشن آ گیا ہے۔'' اس نے کتاب کے اپنی جگہ پہ نہ ہونے والی بات گول کر دی۔ کم از کم اس وقت وہ ماہی کا لیکچر نہیں سن سکتی تھی۔

اوشن نامی ریستوران نیلے اور سفید رنگوں میں استوار کیا گیا تھا۔ برامدے کی میزیں لوگوں سے پر تھیں۔ گفتگو' قہقہے' ناشتہ اور کافی کی مہک۔ اندر کا ہال بھی تقریباً بھرا ہوا تھا۔ ہر روز کی طرح۔ اس کے آتے ہی ادھر ادھر جاتے عملے نے اسے جہاں دیکھا' وہیں رک کے سلام کیا۔

''بارش آنے والی ہے۔ مزید مہمانوں کو لان میں مت بٹھاؤ۔'' گزرتے ہوئے اس نے کسی کو روکا۔ ''اور پندرہ بیس منٹ تک جو بھی لان میں بیٹھا ہو' اس کو بہت ادب کے ساتھ برآمدے میں موو ہونے کے لیے کہہ دو۔'' پھر ایک ویٹر کو روکا۔ دو انگلیوں سے قریب آنے کی ہدایت دی۔ وہ مودب سا چلا آیا۔

''اس کٹلری کو یہاں سے اٹھاؤ۔'' تحکم سے ایک میز کی طرف اشارہ کیا۔ ''اور فاروق سے کہو اس کو واش کر کے ایف ڈرائی کر کے بھیجے۔ مجھے اتنی دور سے اس پہ پانی کے داغ نظر آ رہے ہیں۔'' لہجہ دوٹوک مگر نرم تھا۔ کہہ کے وہ رکی نہیں۔ ہائی ہیلز سے چلتی ہوئی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

اوپر آ کے پہلے ظہیر کے آفس میں جھانکا۔ وہ وہاں نہیں تھا۔ وہ دیر سے آتا تھا اور جلدی چلا جاتا تھا۔ خیر ہے۔ وہ اس کا انتظار کر لے گی۔ پھر وہ اپنے آفس میں آئی جہاں ساعقہ پانی کی ٹھنڈی بوتل اور اس کی کافی رکھ رہی تھی۔

''تھینکس ساعقہ۔'' وہ مسکرا کے اپنی سیٹ کی طرف آئی۔ اس کا آفس چھوٹا سا تھا۔ آفس ٹیبل پہ کھڑکی سے سیدھی دھوپ پڑتی تھی۔ وہاں کیکٹس کا ننھا سا سفید گملا رکھا تھا۔

''ہیلو شیلڈن۔'' اس نے مسکرا کے گملے کی مٹی تک چہرہ جھکا کے اسے دیکھا۔ سیدھا لمبا سا کیکٹس جس کا نام اس نے شیلڈن رکھا تھا۔ وہ اسے گزشتہ روز کے مقابلے میں بڑا لگا تھا۔

''میم...'' ساعقہ نے جاتے جاتے کہا۔ ''کوئی کیف جمال آپ سے ملنے آیا ہے۔ بھیجوں؟''

''ہاں اسے بھیجو۔'' وہ اپنی پاور سیٹ پہ بیٹھی اور کمر پیچھے ٹکائی۔ ایک سکون سا وجود میں بھر گیا۔ اس کا یہ آرام دہ آفس۔ (گردن موڑ کے کھڑکی کو دیکھا جو ٹیبل کے ساتھ بائیں طرف تھی) کھڑکی سے نیچے نظر آتا ریستوران کا لان۔ پھول۔ پودے۔ کونے میں لگے گھنے درخت۔ اوشن اس کی وہ جنت تھا جسے اس نے اپنے ہاتھوں سے بنایا

تھا۔اور اب وہ اس کو مزید پھیلانے جا رہی تھی۔

لیکن پہلے اسے سیکیورٹی گارڈ کا انٹرویو کرنا تھا۔

اس نے موبائل پہ صفورا کی چیٹ کھولی۔اور کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے اس کا میسج دوبارہ پڑھا۔وہ اپنے کزن کیف جمال کی سفارش کر رہی تھی۔وہ ضرورت مند بھی تھا اور قابلِ بھروسہ بھی۔صفورا نے تقریباً درخواست کے لہجے میں لکھا تھا کہ مالا اس کو جاب دے دے۔وہ پچھلے گارڈز کی طرح جاب چھوڑ کے نہیں جائے گا۔

انٹرویو بھی ایک فارمیلٹی ہی تھا۔صفورا نے کہہ دیا تو بس کہہ دیا۔صفورا بہت سوشل اور تعلقات رکھنے والی لڑکی تھی۔کسی کو ملازم چاہیے یا گارڈ صفورا سے سب سے پہلے رابطہ کیا جاتا تھا۔

دروازہ کھلنے کی آواز آئی تو کشمالہ نے سر اٹھایا اور کچھ کہنے لگی۔لیکن نووارد کو دیکھ کے رک گئی۔آنکھوں میں تعجب ابھرا۔

''کیا نام ہے آپ کا؟''تصدیق چاہی۔

''میں کیف ہوں۔کیف جمال۔''سامنے کھڑا نوجوان رسمی مسکرا کے بولا۔

''آپ سیکیورٹی گارڈ کی جاب کے لیے آئے ہیں؟''

''جی۔''اس نے اثبات میں سر ہلایا۔مالا نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔اس کے اب تک کے رکھے تمام گارڈز کرخت چہروں اور مونچھوں والے ہوتے تھے۔یہ ایک پڑھا لکھا اسمارٹ سا نوجوان لگتا تھا۔حلیہ بے پرواہ سا تھا۔بال ماتھے پہ کٹے ہوئے اور بل دار تھے۔ان کو پیچھے کرنے کی زحمت نہیں کی تھی۔چہرے پہ چند دن کی بڑھی شیو تھی۔آنکھیں بھوری تھیں اور رنگت کھلتی ہوئی۔جینز کے اوپر ملٹری گرین رنگ کی کالر شرٹ پہنے ہوئے تھا۔گریبان کے اوپری بٹن کھلے تھے اور نیچے سے سفید شرٹ جھانک رہی تھی۔کف بھی ایک تہہ موڑے ہوئے تھے۔پیروں میں جرابوں کے بغیر سفید جوگرز تھے جو نئے لگتے تھے۔

اس کے اس بے ترتیب سے حلیے میں صرف اس کے جوگرز قابلِ ستائش تھے۔

''میں صفورا کا کزن ہوں۔''مسکرا کے بولا۔وہ مسکراتا تھا تو اس کے بائیں گال میں ڈمپل پڑتا تھا۔اس کے چہرے میں سب سے زیادہ پرکشش کیا تھا؟اس کے مسکرانے کا انداز؟یا اس کی بھوری آنکھوں کی لمبی اور مڑی ہوئی پلکیں؟

''تشریف رکھیے۔''

وہ بیٹھ گیا اور ایک فائل اس کے سامنے رکھی۔ پھر گردن ہلائے بنا نگاہوں سے اطراف کا جائزہ لیا۔ آفس چھوٹا سا تھا۔ تین دیواریں سفید تھیں۔ چوتھی دیوار پہ جنگل کے اونچے درخت پینٹ کیے گئے تھے۔ جگہ جگہ منی پلانٹس اوران ڈور پودوں کے گملے رکھے تھے۔ ان کی خوشبو کافی کی مہک میں مکس ہوگئی تھی۔

سامنے نیلے لباس میں بیٹھی لڑکی سر جھکائے اس کی فائل کے صفحے پلٹا رہی تھی۔ چہرے کے دونوں اطراف سے نکلتی لٹیں بھی فائل پہ جھکی تھیں۔ کانوں میں ڈائمنڈ ٹاپس دمک رہے تھے۔

کشمالہ نے فائل بند کردی۔ پھر چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

وہ اپنی مڑی ہوئی پلکوں والی آنکھوں سے بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ کچھ تھا اس نوجوان کے بارے میں جو اس جاب انٹرویو سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔ کچھ غیر فطری سا۔ وہ سمجھ نہیں پائی۔

''آپ نے صرف دو ماہ ایک پرائیوٹ سیکیورٹی فرم میں کام کیا ہے۔ وہ کام کیوں چھوڑا؟''

''میں ایک سیاستدان کے سیکیورٹی اسکواڈ میں شامل تھا۔ بطور پرسنل باڈی گارڈ۔ ٹائمنگ مشکل تھی۔ میں ساتھ ساتھ اپنے بزنس پلان پہ بھی کام کر رہا تھا۔ دو چیزیں مینیج کرنا مشکل تھا۔''

''کس چیز کا بزنس کر رہے تھے آپ؟'' وہ سیٹ پہ ٹیک لگائے سپاٹ انداز میں پوچھ رہی تھی۔ جوڑے سے نکلی دو لٹیں اس کے چہرے کے دونوں اطراف کو چھو رہی تھیں۔

''میں پروفیشنل فوٹوگرافر ہوں۔ ہم دوستوں نے ایک ویڈنگ فوٹوگرافی کمپنی بنائی تھی جس میں ہم بہت سی سروسز مہیا کرتے تھے۔ لیکن وہ فلاپ ہوگئی۔'' ہلکے سے کندھے اچکائے۔ ''میں نے باہر سے بہت قیمتی equipment منگوالیا تھا جس کی وجہ سے میں شدید قرضوں میں گھرا ہوا ہوں اور وہی قرضے اتارنے کے لیے جاب کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ سنجیدگی سے اس کے سوالات کا جواب دے رہا تھا۔

''کتنا قرضہ ہے آپ پہ؟''

''اتنا کہ اس جاب سے چند ماہ میں اتار لوں گا۔'' قدرے توقف سے بولا۔ ''آپ کو سیکیورٹی گارڈ چاہیے یا باڈی گارڈ؟''

''دونوں۔'' وہ سنجیدہ تھی۔ ''مگر آپ خود کو میرا ڈرائیور کہیں گے۔ صبح مجھے ریستوران ڈراپ کریں گے۔ شام کو یہاں سے پک کریں گے۔ اور رات میرے گھر ڈیوٹی دیں گے۔ جب تک میں ریستوران میں ہوتی ہوں مجھے آپ کی ضرورت نہیں۔ آپ گھر جا کے آرام یا کام وغیرہ کر سکتے ہیں۔''

''مجھے خود کو ڈرائیور کہنا ہے؟'' وہ جیسے سمجھا نہیں تھا۔

کشمالہ نے غیر آرام دہ انداز میں پہلو بدلا۔ ''میں اپنے رشتے داروں کے ساتھ رہتی ہوں۔ باڈی گارڈ کے لفظ سے وہ اَن کمفرٹیبل ہو جائیں گے۔''

''کیا ان کو نہیں معلوم کہ آپ کو سیکیورٹی تھریٹ ہے؟'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کے بولا۔

اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''ویسے نیچر آف تھریٹ کیا ہے؟''

کشمالہ نے جواب نہیں دیا۔ وہ گردن موڑ کے کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی۔ آسمان اندھیر ہوتا جا رہا تھا۔ وقفے وقفے سے بادل گرج رہے تھے۔

کیف نے کھنکھار کے وضاحت کرنی چاہی۔ ''نیچر آف تھریٹ یعنی.....''

''مجھے معلوم ہے نیچر آف تھریٹ کیا ہوتا ہے۔ مگر میں ابھی اس بارے میں بتانا ضروری نہیں سمجھتی۔''

''حفاظت کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ مجھے خطرے کی نوعیت کا علم ہو۔''

''اور اگر علم نہ ہو تو؟'' اس نے سبز آنکھیں گھما کے کیف کو دیکھا۔

کیف نے گہری سانس لے کر ہلکے سے کندھے اُچکائے۔ ''میں تب بھی آپ کی حفاظت کروں گا۔ میں نے صفورا سے وعدہ کیا ہے۔ میں اپنی جاب میں بہت اچھا ہوں۔ آپ بے فکر رہیں۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔ وہ واقعی اس کے گزشتہ گارڈز سے مختلف تھا۔ لیکن اچھا تھا۔ اس کے بات کرنے کے انداز میں ایک احساسِ تحفظ تھا۔ اس کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑنے لگے۔

''مجھے لگتا ہے کوئی میرا پیچھا کر رہا ہے۔'' وہ بولی تو اس کی آواز ہلکی تھی۔ اس نے بھروسہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ آخر وہ صفورا کا کزن تھا۔

''صرف لگتا ہے یا کسی کو دیکھا بھی ہے؟'' وہ چونکا۔

''دیکھا نہیں ہے۔ لیکن وہ ثبوت چھوڑ جاتا ہے۔ وہ میرے گھر میں داخل ہوتا ہے اور چیزیں چھیڑ کے چلا جاتا ہے۔''

''سی سی ٹی وی میں نظر نہیں آیا؟''

کشمالہ نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ممانی ان کے خلاف ہیں۔ صرف گیٹ پہ سی سی ٹی وی لگا ہوا ہے۔ باقی گھر میں وہ

لگوانے نہیں دیتیں۔ ان کی پرائیویسی ڈسٹرب ہوتی ہے۔"

"آپ نے خفیہ کیمرے لگوانے کا نہیں سوچا؟"

"مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ میں کسی کے ساتھ رہوں اور اس کے پیٹھ پیچھے چھپ کے کچھ ایسا کروں جو اس کو نہیں پسند۔ اور میں نہیں چاہتی کہ انہیں معلوم ہو کہ مجھے کوئی مسئلہ ہے۔ خاندان میں باتیں ہوں گی۔"

"آپ کی کسی سے دشمنی ہے؟" وہ سوچتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

وہ اداسی سے مسکرا دی۔ "میں ایک انتہائی بے ضرر انسان ہوں' کیف۔ میں صرف کام کرتی ہوں۔ اور کچھ نہیں۔ کسی کو مجھ سے کیا مسئلہ ہو سکتا ہے۔"

وہ خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔ ذہن کے پردے پہ وہ فوٹو البم آ گیا۔ اور چھٹے صفحے پہ رکھی تصویر۔

"آپ کو خود کیا لگتا ہے؟ کوئی آپ کے پیچھے کیوں پڑا ہوا ہے؟"

کشمالہ نے کندھے اچکائے۔ "شاید مجھے مارنے کے لیے۔"

"لیکن ابھی تک مارا نہیں ہے؟"

وہ اس کی بات پہ چونکی۔ "ہوں؟"

کیف اپنی جگہ سے اٹھا اور ہاتھ بڑھا کے کھڑکی کے پٹ کھول دیے۔ پھر باہر کی طرف اشارہ کیا۔

"آپ روز اس کھڑکی میں بیٹھ کے کام کرتی ہیں۔ سامنے ایک کمرشل مارکیٹ ہے۔ اس کی کسی بھی عمارت کی کھڑکی سے آپ کو شوٹ کرنا بہت آسان ہے۔ اگر میں ہوتا تو اس سرمئی عمارت کا انتخاب کرتا۔" اشارہ کر کے ایک عمارت دکھائی۔

"آپ وقت کی پابند ہیں۔" ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کھڑے کھڑے بات جاری رکھی۔ "روز فکسڈ ٹائم پہ ریستوران پہنچتی ہیں۔ یہ مجھے اسٹاف نے بتایا ہے۔ کوئی آپ کا تعاقب دو دن تک کر لے تو اسے معلوم ہو گا کہ آپ کب اور کہاں ہوتی ہیں۔ راستے میں کہیں بھی آپ کو شوٹ کیا جا سکتا ہے۔"

پھر اس نے میز پہ رکھی کافی کا مگ اٹھایا۔ کپ میں دو گھونٹ بچے ہوئے تھے۔ کپ نیچے سے پکڑ کے اونچا کیا۔ "یہاں کسی بھی ویٹر یا اسٹاف کو چند پیسے دے کر آپ کی کافی میں کچھ ملایا جا سکتا ہے۔ ویسے میں ہوتا تو کافی میں زہر نہ ملاتا کیونکہ آپ آخری گھونٹ بچانے کی عادی ہیں۔ میں یہاں زہر لگاتا۔" اس نے انگلی سے کپ کے دہانے کی طرف اشارہ کیا جہاں اس کی لپ اسٹک کا نشان لگا تھا۔ پھر کپ رکھا اور کرسی پہ واپس بیٹھا۔

''آپ کو مارنا بہت آسان ہے۔ میرا نہیں خیال وہ آپ کو مارنا چاہتا ہے۔''

وہ بس اس کو دیکھ رہی تھی۔ بنا پلک جھپکے۔ اس کے تاثرات دیکھ کے کیف کھنکھارا۔ ''میں صرف بتا رہا تھا۔ تھیوری میں۔''

کشمالہ نے جھرجھری لے کر سر جھٹکا۔ (اُف۔) پھر لہجے کو نارمل رکھتے ہوئے پوچھا۔ ''آپ کے خیال میں کوئی مجھے اسٹاک کیوں کر رہا ہے؟''

''ظاہر ہے آپ کو ڈرانے کے لیے۔ اور ڈرانے والے کی غذا آپ کا ڈر ہوتا ہے۔ جس دن آپ اس کی غذا روک دیں گی، وہ کمزور پڑ جائے گا۔'' پھر مسکرایا۔ ''کیا میں ہائر کر لیا گیا ہوں؟''

''ہائر ہونے کا فیصلہ آپ خود کریں گے۔ میرے پاس گارڈز زیادہ دیر نہیں رہتے۔ اس لیے میں ہر آنے والے کو رکھ لیتی ہوں۔ کچھ دن بعد یا آپ جاب چھوڑ جائیں گے یا موجود رہیں گے۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے ٹھہر ٹھہر کے کہہ رہی تھی۔ ''لیکن ایک بات یاد رکھیں۔ میں کسی کو کام میں کوتاہی کی وجہ سے کبھی فائر نہیں کرتی۔ میں لوگوں کو چانس دیتی ہوں۔ کام سکھاتی ہوں۔ لیکن اگر وہ مجھ سے جھوٹ بولیں، میری پیٹھ پیچھے مجھ سے چھپا کے کچھ کریں، یا کسی بھی طرح مجھے دھوکہ دیں، تو میں ان کو اپنے کام اور زندگی سے بالکل الگ کر دیتی ہوں۔ اس کے بعد وہ جتنی معافی مانگ لیں، میں انہیں واپس نہیں لیتی۔''

اس نے دیکھا کیف کے چہرے پہ ایک سایہ سا گزرا ہے۔ لیکن بظاہر وہ مسکراتا رہا۔

''یعنی آپ کو ناراض کرنا بہت مشکل ہے لیکن ایک دفعہ ناراض ہو جائیں تو منانا مشکل ہے۔''

''مشکل نہیں، ناممکن ہے۔'' وہ ہلکا سا مسکرا دی۔ کیف نے بظاہر مسکراتے ہوئے تھوک نگلا۔

یہ وہ وقت تھا جب وہ اسے بتا سکتا تھا کہ وہ وہاں کیوں آیا ہے۔ وہ اسے بتا سکتا تھا کہ کسی کے پاس اس کی تصویر ہے۔ کوئی اسے نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ اور یہ کہ اسے اندازہ ہے کہ کون اس کا پیچھا کر رہا ہے۔

لیکن وہ جانتا تھا کہ وہ اس کا یقین نہیں کرے گی۔ کوئی بھی اس کا یقین نہیں کرے گا۔

''آپ کو مجھ سے کبھی شکایت نہیں ہوگی۔'' پھر جیسے یاد آیا۔ ''آپ کے گارڈز بار بار جاب کیوں چھوڑ دیتے ہیں؟''

''آپ جان جائیں گے۔'' وہ لیپ ٹاپ اٹھاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے ظہیر سے ملنا تھا۔

وہ دونوں ساتھ ساتھ آفس سے باہر نکلے۔ وہ آگے بڑھ گئی اور وہ وہیں رک کے موبائل کے بٹن دبانے لگا۔

''وائٹ ہیئر'' نام کی ایک چیٹ نکالی۔

''اس نے مجھے ہائر کرلیا ہے۔ یہ تو بہت آسان تھا۔'' اس کی انگلیاں ٹائپ کر رہی تھیں۔

ظہیر کا آفس ٹیرس کے دوسری جانب تھا۔ درمیان میں چند کرسیاں میزیں رکھی تھیں۔ وہ وہیں بیٹھ گئی اور صفورا کو کال ملائی۔

''میں نے تمہارے کزن کو ہائر کرلیا ہے۔'' گردن اٹھا کے آسمان کو دیکھا۔ سیاہ بادل دور دور سے اس کے سر پہ اکٹھے ہو رہے تھے۔ لگتا تھا آج برس برس کے اوشن کو بہا لے جائیں گے۔

''گڈ۔'' صفورا اپنے مخصوص انداز میں بولی۔ ''اچھا سنو۔ وہ کوئی غلطی کرے تو اس کو ایسے ہی ٹریٹ کرنا جیسے باقی ملازمین کو کرتی ہو۔ میرا کزن ہونے کا ناجائز فائدہ نہ اٹھانے دینا۔ اس کو بزنس کا شوق ہے لیکن وہ کبھی ترقی نہیں کرے گا۔ اس کے لیے بھی بہتر ہے کہ وہ تمہارے پاس نوکری کرتا رہے۔ اچھا مالا... سنو...'' صفورا رکی۔ توقف کیا۔

''ہوں۔'' مالا ابھی تک گردن اٹھائے آسمان کو دیکھ رہی تھی۔ آدھا ریستوران اوپن ائیر تھا بارش ان کے لیے اچھی ثابت نہیں ہوتی تھی۔

''میں نے سنا ہے ظہیر نے اوشن کو بیچ دیا ہے؟''

بجلی زور کی چمکی۔ عین اس کے سر پہ۔

''کیا؟'' بادل اتنے زور سے گرجے کہ زمین دہل گئی۔

''ایوب بتا رہا تھا کہ ظہیر نے کسی لبنانی فوڈ چین کو اوشن بیچ دیا ہے۔ اس نے تمہیں اعتماد میں نہیں لیا؟''

''تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ ایسا... ایسا نہیں ہوسکتا۔'' وہ ایک دم کھڑی ہوئی۔ اسی پل بارش برسنے لگی۔ جیسے اوپر سے کسی نے پانی کا تھال الٹ دیا ہو۔

وہ تیز تیز چلتی ظہیر کے آفس میں داخل ہوئی۔ اس کی ہیلز گیلے نشانوں کی قطار اپنے پیچھے چھوڑتی جا رہی تھیں۔

''ظہیر۔''

ظہیر نے سر اٹھا کے دیکھا۔ مالا کے بال نم تھے اور چہرے پہ پانی کے قطرے تھے۔ آواز اونچی تھی۔

''میں کیا سن رہی ہوں؟'' ہتھیلیاں میز کے کناروں پہ رکھے وہ بنا پلک جھپکائے اسے دیکھ رہی تھی۔ ''تم نے اوشن بیچ دیا ہے؟'' غصہ نہیں تھا۔ بے یقینی تھی۔ حیرت تھی۔

آفس کی کھڑکی کے شیشے پہ تڑتڑ بوندیں برس رہی تھیں۔ گویا آسمان سے برستے پتھر ہوں۔ اور ہر پتھر پہ کسی کا نام لکھا ہو۔

ظہیر چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پھر گردن موڑ کے کھڑکی کو دیکھنے لگا۔

''ہاں۔ میں نے ایک لبنانی گروپ کے ساتھ ڈیل کی ہے۔''

وہ چند لمحے ہل نہیں سکی۔ نہ پلک جھپکی۔ نہ سانس لیا۔ اس کے ذہن نے بات کو جذب ہی نہیں کیا تھا۔

''تم نے کیا کیا ہے؟'' میز سے ہاتھ ہٹائے۔ سیدھی کھڑی ہوئی۔

''میرے کچھ ذاتی مسئلے چل رہے ہیں۔ مجھے پیسے چاہیے تھے۔ سوری میں تمہیں پہلے نہیں بتا سکا۔''

پیچھے دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ ساتھ ہی شناسا مردانہ آواز۔ ''باس ... آپ کا فون باہر گرا ہوا تھا۔ مسلسل بجے جا رہا ہے۔'' کہنے والا خود ہی خاموش ہو گیا۔ آگے آیا اور میز پہ کشمالہ کا فون رکھ کے واپس ہو گیا۔

''تم مجھے بتائے بغیر ایسا کیسے کر سکتے ہو؟'' وہ اسی طرح ظہیر کو بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔

''کیونکہ انہوں نے اپنا اسٹاف لانا ہے۔ مالا میں ہر ایک کی ذمہ داری نہیں لے سکتا۔ سب اپنا کچھ نہ کچھ کر سکتے ہیں۔'' وہ قدرے جھنجھلایا۔ ''میں نے کہا نا مجھے پیسے چاہیے تھے۔ بہت ضروری۔''

''ظہیر تم.... تم مجھے بتائے بغیر ایسے کیسے کر سکتے ہو؟'' اس کو لگا اسے سانس نہیں آ رہا۔

''میں کر سکتا ہوں۔ میں ریستوران کا مالک ہوں۔ ہمارے درمیان کبھی کوئی ایسی بات نہیں طے ہوئی تھی جس سے میرا یہ حق سلب ہو جائے۔''

''مالک؟ تم مالک ہو؟ ظہیر میں نے یہ ریستوران بنایا ہے تمہارے ساتھ۔ اپنے انہی ہاتھوں سے۔ اور تم نے ایک منٹ میں اس کو بیچ بھی دیا؟'' اس نے خود کو بولتے سنا۔ اور تب کسی اڑتے تیر کی طرح ایک فقرہ ذہن میں پیوست ہو گیا۔

''وہ اپنا اسٹاف لائیں گے؟ تم یہ کہہ رہے ہو کہ میں اور ہمارا اسٹاف ... ہم سب جاب لیس ہو گئے ہیں؟'' وہ دو قدم پیچھے ہوئی اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ظہیر کے چہرے پہ ملال ابھرا۔

''مالا... تم اتنی قابل، اتنی ٹیلنٹڈ ہو۔ تم کچھ بھی کر لو گی یار۔ میرا مسئلہ سمجھو۔''

وہ کچھ اور بھی کہہ رہا تھا لیکن اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ ظہیر کے آفس سے نکلی تو ذہن شل تھا۔ اسے اپنے آفس تک جانے کے لیے ٹیرس عبور کرنا تھا۔ وہ قدم قدم آگے بڑھنے لگی۔ زرد جوتے مزید گیلے ہوتے گئے۔

اس نے ٹیرس کی دیوار پہ ہاتھ پھیرا۔ یہ وال ٹائلز اس نے سلیکٹ کی تھیں۔ گراس ٹرف کتنے ملی میٹر رکھنی ہے' یہ اس نے طے کیا تھا۔ فالس سیلنگ کا ڈیزائن۔ لائٹنگ کس طرز کی کرنی ہے۔ ریستوران کا تھیم اور مینیو کیا ہوگا؟ یہ سب اس نے طے کیا تھا۔

ہر شے پہ ظہیر کا پیسہ اور کشمالہ مبین کے پانچ سال لگے تھے۔

ایک دم قطروں کا راستہ رک گیا۔ کشمالہ نے چونک کے گردن موڑی۔ پانی کی بوچھاڑ کے پار وہ بھوری آنکھوں والا نوجوان بازو لمبا کر کے اس کے اوپر چھتری تانے ہوئے تھے۔

''آپ بھیگ رہی ہیں۔'' وہ فکرمندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ کشمالہ چند ثانیے اس کا چہرہ تکتی رہی۔ پھر مڑ گئی۔ ابھی ذہن کے اندر کوئی منظر جذب نہیں ہو رہا تھا۔ اسے جلد سے جلد کھلی فضا میں واپس جانا تھا۔

اوشن سے دور۔ ظہیر سے دور۔ اس سب سے دور۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بارش شام تک وقفے وقفے سے برستی رہی۔ لگتا تھا کوئی بادل پھٹ گیا ہے۔ یا شاید کسی کا دل تھا۔

وہ بتیاں بجھائے اندھیرا لاؤنج میں صوفے پہ لیٹی رہی۔ اس کا جوڑا ڈھیلا ہو چکا تھا اور رونے سے سارا مسکارا بہہ گیا تھا۔

ظہیر نے کب بیچا ریستوران؟ اسے علم کیوں نہیں ہوا؟ یا شاید اسے علم ہو سکتا تھا۔ وارننگ سائن عرصے سے آ رہے تھے۔

چند ہفتے پہلے اوشن میں ظہیر کے کوئی لبنانی دوست آئے تھے۔ کم از کم ظہیر نے یہی کہا تھا کہ وہ اس کے دوست ہیں۔ وہ ان کے ساتھ ریستوران میں نہیں بیٹھا۔ ساری جگہ گھما پھرا کے انہیں اپنے آفس میں لے کر بند ہو گیا۔ اور ہاں... اس نے سن رکھا تھا کہ ظہیر کی بیوی کا اصرار ہے وہ دونوں اس کے ماں باپ کے پاس آسٹریلیا شفٹ ہو جائیں۔ کوئی خاندانی مسئلے تھے۔ ظہیر نے اس سے پہلے بھی چند بڑے فیصلے مالا کو اعتماد میں لیے بغیر کیے تھے۔ اسے تب ہی سمجھ جانا چاہیے تھا کہ وہ کبھی اس پہ اعتبار نہیں کر سکتی۔ لیکن پھر بھی اس نے کیا۔

''مالا باجی...'' جانے مغرب ڈوبے کتنا وقت بیتا تھا جب ٹیرس کا دروازہ بجنے لگا۔ ممانی کی ملازمہ آئی تھی۔ وہ بدقت اٹھی۔ آنکھیں صاف کیں۔ بال کانوں کے پیچھے اڑسے اور دروازہ کھولا۔

نسرین کے ہاتھ میں کانچ کی پلیٹ تھی جس پہ چاکلیٹ براؤنیز رکھی تھیں۔ ''یہ آپ کی ممانی نے بھجوائی

ہیں۔ نیچے نگینہ آنٹی آئی ہوئی ہیں۔اور ہاں... آپ کا فون آف ہے۔آپ کی امی جی کی کال آئی تھی۔ پریشان تھیں۔ان کو کال کر لیں۔'' جلدی جلدی بتا کے وہ مڑی۔ پھر واپس پلٹی۔''اور ٹیرس کی لائٹ تو جلا دیں۔''

وہ چونکی۔اس نے واقعی آج کوئی بتی نہیں جلائی تھی۔ باہر اندھیرا پھیل چکا تھا۔وقت کا احساس ہی ختم ہو گیا تھا۔

براؤنیز کی پلیٹ اس نے سینٹر ٹیبل پہ رکھی اور خود وضو کرنے چلی گئی۔قضا نماز ادا کی اور وہیں جائے نماز پہ زمین پہ بیٹھ گئی۔آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔

''میرے ساتھ یہ کیوں ہوا ہے اللہ تعالیٰ؟ میں لوگوں کے دل نہیں دکھاتی۔زکواۃ ادا کرتی ہوں' صدقے دیتی ہوں۔میں تو چیونٹی تک کو نہیں مارتی۔ پھر بھی میری جاب چلی گئی۔اتنا بڑا سیٹ بیک۔'' دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے لیکن کیا دعا مانگے۔''میں اب کہاں سے شروع کروں دوبارہ؟اسکوائر ون سے؟ پانچ سال میں نے اس شہر میں اوشن کو سیٹ کیا' اپنی ایک سوشل لائف بنائی۔اور ایک ہی دن میں سب ملیا میٹ ہو گیا۔'' نظریں اندھیرا لاؤنج میں نصب بک شیلف تک اٹھیں۔''اوپر سے پتہ نہیں کون میرے پیچھے پڑا ہوا ہے۔میں کیا کروں اللہ تعالیٰ؟''

وہ واپس صوفے پہ آ بیٹھی۔روئی روئی آنکھیں میز پہ رکھی براؤنیز پہ جمی تھیں۔

صبح تک وہ ایک بہت اچھی جاب کی مالک تھی۔ وہ ایک نیا بزنس پلان کرنے جا رہی تھی۔اس کے پاس گھر جانے کا وقت بھی نہیں ہوتا تھا۔زندگی مصروف اور پر امید تھی۔

شام ہونے سے پہلے وہ جاب لیس تھی۔

اس نے کھڑکی سے باہر پھیلے اندھیرے کو دیکھا۔اس وقت وہ ہمیشہ ریستوران میں ہوتی تھی۔ یہ گہما گہمی کا وقت ہوتا تھا۔لیکن آج وہ واپس زیرو پہ پہنچ کے گھر بیٹھی تھی۔

وہ میٹھے کی شوقین نہیں تھی۔ یہ الگ بات تھی کہ وہ بیکری بنانا چاہتی تھی لیکن وہ ان لڑکیوں میں سے نہیں تھی جن کو چاکلیٹ اور آئسکریم خوش کر دیتی ہیں۔ذرا سا میٹھا کھانے پہ بھی اسے پانی کا گھونٹ بھر کے اس کے ذائقے کو ختم کرنا پڑتا تھا۔لیکن جہاں آج اتنا سب کچھ غلط ہو چکا تھا' وہاں براؤنیز ہی سہی۔اس نے ایک ٹکڑا اٹھا لیا اور بائٹ لی۔میٹھی سی کڑواہٹ منہ میں گھل گئی۔

پھر اس نے موبائل آن کیا۔ماں کے میسجز آئے ہوئے تھے۔اس نے کال بیک کی۔

''کیسی ہے میری بیٹی؟'' ماں اس کی آواز سے ہی کھل اٹھیں۔''فون کیوں نہیں اٹھا رہی تھیں؟''

''بس کام میں بزی تھی۔''

''تمہاری ممانی تو کہہ رہی تھیں شاید سوئی پڑی ہو۔ آج بتیاں بھی نہیں جلائیں۔''

''اُف۔ لاہور تک بتا دیا انہوں نے کہ مالا نے بتی نہیں جلائی۔ میں کام کر رہی تھی' ماں۔'' وہ جھنجھلا گئی۔ ماں خاموش ہو گئیں۔

''تم نے آج ظہیر کو اپنا کوئی نیا بزنس پلان دینا تھا۔ اس کا کیا بنا؟''

اس کے حلق میں آنسوؤں کا پھندا پڑ گیا۔ آواز آہستہ ہو گئی۔ ''آپ نے دعا مانگی تھی؟''

''ہاں بیٹے۔ میں نے دعا مانگی تھی کہ وہ ہو جو تمہارے حق میں بہتر ہو۔''

اس نے 'سڑ' کی آواز کے ساتھ گیلی سانس ناک سے اندر کھینچی۔

''اصل میں ... کام نہیں بنا۔ ظہیر انٹرسٹڈ نہیں ہے۔'' آواز کو نارمل بنانے کی کوشش کی۔ ''بلکہ وہ شاید باہر شفٹ ہونے کا سوچ رہا ہے۔ کہہ رہا تھا شاید ریستوران بھی بیچ دے۔''

وہ اتنی جلدی اتنی بڑی بات نہیں بتا سکتی تھی۔ اس میں ہمت نہیں تھی۔

ایک لمحے کے لیے ماں خاموش ہو گئیں۔

''مالا...'' ان کی آواز ویسی ہی پرسکون تھی۔ ''اس نے تمہیں بتائے بغیر ریستوران بیچ دیا ہے۔ ہے نا؟''

مالا کی آنکھوں سے زار و قطار آنسو گرنے لگے۔ اس نے بدقت لبوں پہ ہاتھ رکھ کے سسکی اندر روکی۔

کیسے پتہ چل جاتا تھا ماں کو ہر بات کا؟

''دفعہ کرو اس کو۔ تم گھر آ جاؤ۔ عزہ کی شادی بھی ہے نا۔ مل کے اٹینڈ کریں گے۔'' انہوں نے بڑے تحمل سے بات بدل دی تھی۔ ماں کو اس کے کام کی کامیابی یا ناکامی سے کبھی فرق نہیں پڑا تھا۔ ان کو بس دو چیزوں کی فکر ہوتی تھیں۔ ان کے بچوں نے نماز پڑھی؟ یا ان کے بچوں نے کھانا کھایا؟

ماں کی کال بند ہوئی تو کچھ دیر بعد ماہی کی ویڈیو کال آنے لگی۔ اسے معلوم تھا خبر کینیڈا تک پہنچ گئی ہو گی۔

''ماں بتا رہی تھیں ظہیر نے تم سے پوچھے بغیر ریستوران بیچ دیا۔'' ایپرن پہنے کچن میں کھڑی ماہی شدید غصے میں لگ رہی تھی۔ چھوٹے بال پونی میں بند تھے اور ہاتھ میں کفگیر تھا۔

''اس کے اپنے مسئلے تھے' ماہی۔'' اس نے ماہی سے آنسو چھپانے کی کوشش نہیں کی۔

''مسئلے کی ایسی تیسی۔ اور تم... ایسے ہی نا جاب چھوڑ دینا۔ ریستوران کی دو چار کھڑکیاں توڑ کے آنا۔ اور میں تو اس ظہیر کو پاکستان میں ایسا بدنام کروں گی' تم دیکھنا۔ میرے ساتھ اس کے کچھ رشتے دار ایڈ ہیں فیس بک پہ۔ یہ

اپنے خاندان میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا' میں بتا رہی ہوں۔'' ماہی کفگیر گھما گھما کے کہہ رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہیں سے ظہیر کا سر توڑ دے۔

''تم ایسا کچھ نہیں کرو گی ماہی۔ میں پہلے ہی بہت تھکی ہوئی ہوں۔'' وہ روہانسی ہو کے بولی۔ ماہی کچھ کہنے لگی' پھر بھنویں اکٹھی ہوئیں۔

''ایں؟ تم کیک کھا رہی ہو؟ تمہیں کب سے میٹھا پسند ہو گیا؟''

''کیک نہیں ہے۔ براؤنیز ہیں۔ وہ بھی تمہاری فیورٹ بیکری کی۔ ممانی نے مہمانوں کے لیے منگوائی ہیں۔ کوئی نگینہ آنٹی آئی ہیں۔'' اس نے آنسو رگڑ کے صاف کیے اور براؤنی کی ایک اور بائٹ لی۔ ذہن دوسری طرف لگانا چاہا۔ ''ہماری کون سی رشتے دار ہیں نگینہ آنٹی؟''

''وہ دبئی والی۔ عزہ کی شادی کے لیے آئی ہوں گی۔ ممانی کی کزن ہیں۔ اور ہمارے بابا کی بھی دور کی کزن ہیں۔ وہی جن کا بیٹا رائٹر ہے۔ زیاد سلطان۔ اس کی کتاب کا نیویارک ٹائمز نے ریویو بھی کیا تھا۔ میں اسے انسٹا پہ فالو کرتی ہوں۔''

''اچھا۔ ہوگا۔ مجھے یاد نہیں۔'' اس کی یادداشت میں کوئی زیاد سلطان نہیں تھا۔

''اوہو یاد کرو۔ سہیل کی شادی پہ ہم ان سے ملے تھے۔ جب اس کمبخت پارلر والی نے میرے بال خراب کر دیے تھے۔'' ماہی کا پسندیدہ لفظ کمبخت تھا۔ کوئی اچھا لگتا تو دیکھو کمبخت کتنا اچھا لگ رہا ہے۔ کوئی برا لگتا تو وہ ہے ہی کمبخت۔

''ویسے مجھے پتہ ہے نگینہ آنٹی اپنے بیٹے کے رشتے کے لیے آئی ہیں پاکستان۔ عزہ کی شادی کا تو صرف بہانہ ہے۔''

''تم کیسے کرتی ہو یہ ماہی؟ کینیڈا کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں بیٹھ کے تمہیں کیسے سارے پاکستان کی خبریں مل جاتی ہیں۔''

''چلی ویک ایک گاؤں نہیں ہے۔ تمہارے اسلام آباد سے بڑا ہے۔ جاؤ میں تم سے بات نہیں کر رہی۔'' اس نے فون بند کر دیا اور مالا یہی چاہتی تھی۔ اسے کچھ وقت اکیلے درکار تھا۔

براؤنی ہاتھ میں لیے وہ ٹیرس پہ آ گئی۔ اس نے ابھی تک وہاں کی بتی نہیں جلائی تھی۔ بالوں کا ڈھیلا جوڑا کھل گیا تھا اور اب وہ اس کے کندھوں پہ بکھرے تھے۔

ٹیرس گیلا تھا۔ بلکہ ٹیرس کیا' ساری کالونی گیلی تھی۔ جگہ جگہ جلتے اسٹریٹ پولز رات کا اندھیرا دور کرنے میں ناکام تھے۔

وہ ریلنگ کے ساتھ کھڑی تازہ ہوا کو سانس کے ذریعے اندر اتارنے لگی۔ ذہن پھر سے ظہیر کی طرف چلا گیا۔ قانونی طور پہ ظہیر نے کچھ غلط نہیں کیا تھا۔ اور اخلاقی طور پہ اس نے کچھ درست نہیں کیا تھا۔

نیچے سے آتی آوازوں نے اس کا دھیان بٹا دیا۔ اس نے گردن جھکا کے جھانکا۔ نگینہ آنٹی لوگ پورچ میں کھڑے تھے۔ غالباً رخصت ہو رہے تھے۔ ممانی اور ماموں ان کو سی آف کرنے گیٹ تک آئے تھے۔

نگینہ آنٹی سر پہ سفید دوپٹہ لیے ہوئے تھیں۔ کندھوں پہ شال تھی۔ باوقار سی لگتی تھیں۔ مالا نے بہت عرصہ پہلے ان کو دیکھا تھا۔ ان کے بارے میں ہمیشہ یہی سنا تھا کہ بہت نیک خاتون ہیں جن کا ایک فرمانبردار سا بیٹا ہے جو اسے یاد نہیں تھا۔

وہی بیٹا اس وقت ماں کے لیے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ اس کی کشمالہ کی طرف پشت تھی۔ اس نے گردن مزید اونچی کر کے دیکھنا چاہا۔

وہ دروازہ بند کر کے کار کی دوسری جانب گیا۔ سینے پہ ہاتھ رکھ کے ماموں کو ایک دفعہ پھر خدا حافظ کہا۔ اور ڈرائیونگ ڈور کھولا۔ اب اس کا چہرہ مالا کے سامنے آیا۔

وہ کافی دراز قد تھا۔ بال سلیقے سے سیٹ تھے۔ جینز پہ سفید ڈریس شرٹ پہن رکھی تھی جس کے آستین کف سے فولڈ کیے ہوئے تھے۔ سانولی رنگت اور پرکشش نقوش۔ ایسے کہ نگاہ نہیں ٹھہرتی تھی۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے اپنے سارے مسئلے بھول کے اس کو دیکھے گئی۔ ٹال' ڈارک اینڈ ہینڈسم۔ اس کے ذہن میں یہی الفاظ آئے تھے۔

تو یہ تھا زیاد سلطان۔ انٹرسٹنگ۔

دروازہ کھولتے ہوئے زیاد کی نظر اوپر اٹھی۔ جیسے اسے احساس ہو گیا تھا کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔ وہ جو ایک ہاتھ ریلنگ پہ جمائے' دوسرے سے براؤنی کھا رہی تھی' گڑبڑا کے جلدی سے پیچھے ہوئی۔ دل زور سے دھڑکا۔ اُف۔ کتنا برا لگا ہوگا۔ مگر نہیں۔ ٹیرس اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ زیاد کو نظر نہیں آیا ہوگا۔ ہاں ٹھیک ہے۔ اس نے خود کو تسلی دی۔

گاڑی کے ٹائر باہر نکلنے کی آواز آئی تو وہ واپس سیدھی ہوئی۔ پھر ٹیرس کی بتی جلائی اور اندر آ گئی۔

''آپ آج جلدی میں چلی گئیں اس لیے پوچھ نہیں سکا۔'' اندر آ کے موبائل اٹھایا تو کیف کا میسج سامنے

تھا۔ ''صبح کتنے بجے کام پہ آؤں؟''

ذرا دیر کے لیے وہ اپنا غم بھولی تھی۔ ایک دم سے سب تازہ ہو گیا۔ اس نے نو بجے لکھ کے بھیج دیا۔ اسے صبح ایک دفعہ پھر اوشن جانا تھا۔

وہ صوفے پہ آلتی پالتی کیے بیٹھی اور لیپ ٹاپ گود میں رکھ لیا۔ اسے وہ کانٹریکٹ پڑھنا تھا جو ظہیر نے اس کے ساتھ کیا تھا۔ اسے یاد تھا کہ وہ بنا تین ماہ کے نوٹس کے اسے جاب سے نہیں نکال سکتا تھا۔ اور اگر وہ نکالتا تھا' تو اسے کتنا مداوا بھرنا تھا؟

وہ ظہیر سے لڑائی نہیں کرے گی۔ نہ وہ اس پہ چیخے چلائے گی یا اس کو الزام دے گی۔ یہ اس کی فطرت میں نہیں تھا۔ لیکن وہ اس سے اپنا حق ضرور لے گی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلی صبح گزشتہ روز جیسی ہی روشن اور خوبصورت اتری تھی لیکن کشمالہ مبین کے لیے سارا شہر بے رونق اور اداس ہو گیا تھا۔ وہ کاغذوں کا پلندہ لیے صبح صبح ظہیر کے آفس میں گئی اور دروازہ بند کر دیا۔ اسٹاف اور ویٹرز آس پاس ستونوں اور دیواروں کے پیچھے کھڑے ہو کے سننے لگے۔ سارا ماحول سہما ہوا اور اداس تھا۔

کیف اس کے انتظار میں بار کاؤنٹر کے ساتھ اونچے اسٹول پہ بیٹھا تھا۔ کاؤنٹر ٹاپ پہ رکھے کافی مگ میں چمچ ہلاتے ہوئے اطراف کا جائزہ لے رہا تھا جب سیڑھیوں پہ آہٹ ہوئی۔ اس نے نظریں اٹھا کے دیکھا۔ وہ زینے اتر رہی تھی۔

اس نے آج سیاہ لمبی قمیض کے ساتھ سفید دوپٹہ کندھے پہ ڈالا ہوا تھا۔ بالوں کا جوڑا بندھا تھا اور ایک لٹ دائیں گال کو چھو رہی تھی۔ آج اس نے ٹاپس نہیں پہنے تھے۔ پیروں میں سفید ہیلز تھیں اور پیشانی پہ ابھی تک بل تھے۔ چہرہ تمتمایا ہوا تھا۔ ہاتھ میں ایک باکس تھا جس میں اس کی چیزیں تھیں۔ سب سے اوپر کیکٹس کا ننھا سا گملہ تھا۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے ہاتھ سے باکس لے لیا۔

''تھینکس۔'' اس نے ایک سرسری نظر کیف پہ ڈالی۔ اس کے نئے جوگرز آج بھی اجلے سفید تھے۔ البتہ حلیہ وہی تھا۔ بڑھی شیو۔ ماتھے پہ آئے نوعمر لڑکوں جیسے بل دار بال۔ ٹی شرٹ پہ کالر والی شرٹ جس کے بٹن سامنے سے کھلے تھے۔ چہرے پہ مسکراہٹ اور ہاتھ پیچھے کو بندھے ہوئے۔

''یس باس۔''

''مجھے مال تک جانا ہے۔ تم ڈرائیو کرو گے۔'' کار ریموٹ اس کی طرف بڑھایا اور خود آگے بڑھ گئی۔

کیف باکس اٹھائے اس سے دو قدم پیچھے تھا۔ یکدم کشمالہ کو احساس ہوا کہ وہ رک گیا ہے۔ اس نے پلٹ کے دیکھا۔

وہ ریستوران کے ہال کی مرکزی دیوار کے سامنے رکا ہوا تھا۔ گردن اونچی اٹھائے وہ دیوار کو دیکھ رہا تھا۔

وہ دیوار بذاتِ خود ایک پینٹنگ تھی۔ وہاں ایک منظر بنا تھا۔ ساحل کی ریت۔ پیچھے نظر آتا نیلا سمندر جس کی سطح پہ دھوپ چمک رہی تھی۔ ایک جھولا جو ریت پہ ستونوں سے نصب کیا گیا تھا۔ جھولے پہ ایک کتاب درمیان سے کھول کے الٹی رکھی تھی۔ منظر اتنا خوبصورتی سے پینٹ کیا گیا تھا کہ حقیقت کا گمان ہوتا تھا۔ دیوار کے آگے فرش پہ اصلی ریت اور سیپیاں بکھری تھیں۔ وہ صرف پینٹنگ نہیں تھی۔ تھری ڈی پینٹنگ تھی۔

کیف کی نظریں دیوار کے نچلے کونے تک گئیں۔ وہاں ''مالا'' کے نام سے دستخط تھے۔ ساتھ پانچ برس قبل کی تاریخ درج تھی۔ اس نے گردن موڑ کے ستائشی نظروں سے مالا کو دیکھا جو اس کی منتظر کھڑی تھی۔

''یہ آپ نے پینٹ کیا ہے؟''

''ہوں۔ چلیں؟'' وہ بنا کسی تاثر کے بولی اور دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ گہری سانس لے کر اس کے ساتھ ہولیا۔

''آپ الوژن آرٹسٹ بھی ہیں۔ مجھے اندازہ نہیں تھا۔'' وہ اس کے پیچھے چلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''پرانی بات ہے۔'' وہ جیسے اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دے رہی تھی۔ کیف خاموش ہو گیا۔

راستے میں وہ خاموشی سے کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔ ایک دو بار نگاہ اٹھا کے کیف کی طرف دیکھا تو احساس ہوا کہ اس نے بیٹھتے ہی بیک ویو مرر کو چھت کی طرف کر دیا تھا تاکہ ڈرائیور اور سواری ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکیں۔ صفورا درست کہہ رہی تھی۔ اس کا کزن ڈیسنٹ ہے۔ ورنہ ہر ڈرائیور بیک ویو مرر سے گھورتا ضرور تھا۔

''سنو۔ تم ڈرائیورز یونیفارم نہیں پہن سکتے؟''

''میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔'' وہ موڑ کاٹتے ہوئے بولا۔ اس کے انداز میں ایک عجیب بے نیازی تھی جو کبھی کبھی کشمالہ کو کھلتی تھی۔ لیکن خیر۔ وہ باہر بھاگتی ٹریفک کو دیکھنے لگی۔ دھوپ کے باعث سبز آنکھیوں کی پتلیاں سکوڑ رکھی تھیں۔

''باس۔ اب آپ کیا کریں گی؟ اپنے جاب آورز کے لیے پوچھ رہا ہوں۔''

ناولز کی دنیا
Novels Ki Duniya

''کل ہمیں لاہور جانا ہے ایک ہفتے کے لیے۔ واپس آ کے اس بارے میں بات کریں گے۔''

مال کی پارکنگ میں کیف نے کار روکی تو باہر نکلنے سے قبل مالا نے سرسری انداز میں کہا۔

''مجھے گھنٹہ لگ جائے گا۔ چاہو تو گھوم پھر لو۔ چاہو تو بیٹھے رہو۔''

کیف نے محض سر ہلا دیا۔ کچھ کہا نہیں۔

کچھ دیر وہ یونہی مال کی راہداریوں میں چلتی رہی۔ دن کا وقت تھا اس لیے بہت رش نہیں تھا۔ اسے عزہ کے لیے گفٹ لینا تھا لیکن دل نہیں چاہ رہا تھا۔ پہلے جب کبھی وہ خاندان کی شادیوں پہ جاتی اس کو سلیبریٹی ٹریٹمنٹ ملتی تھی۔ کشمالہ ان سب کی کامیاب انٹرپرونیئر کزن تھی۔ اپنے پیروں پہ کھڑی عورت۔ وہ مہنگے گفٹس دیتی تھی۔ لوگوں سے ملتے ہوئے بھی ہاتھ میں موبائل آن ہوتا۔ وہ ساتھ ساتھ اسلام آباد آفس کو مانیٹر کر رہی ہوتی تھی۔ اب اس کے پاس کچھ کرنے کو ہی نہیں تھا۔ سوشل میڈیا سے جلد ہی سب کو علم ہو جائے گا کہ اوشن بند ہو رہا ہے۔ ہر کوئی اس سے سوال کرے گا۔ اُف۔

وہ اپنی کیفیت میں چلتی جا رہی تھی جب ایک احساس ہوا۔ کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔

چلتے چلتے اس نے گردن موڑی۔ دائیں بائیں۔ پیچھے۔ وہاں بہت سے لوگ تھے لیکن سب اپنی اپنی سمت میں جا رہے تھے۔ کوئی بھی اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ اس نے جھرجھری لے کر جھٹکا۔ شاید اسے وہم ہوا تھا۔

ایک ڈیزائنر برانڈ سے اس نے ایک کامدار جوڑا لیا۔ عزہ کے ٹیسٹ کے مطابق ٹھیک تھا۔ شاپ سے باہر نکلی تو سیدھ میں ایک بک شاپ نظر آئی۔ اس کی گلاس وال کے اس پار کیف کھڑا تھا۔ وہ کاؤنٹر پہ پے منٹ کر رہا تھا۔ وہ اس کی طرف چلی آئی۔

کیف نے اسے نہیں دیکھا۔ اس کی کشمالہ کی طرف پشت تھی۔ وہ موبائل کان اور کندھے کے درمیان لگائے شاپنگ بیگز کاؤنٹر سے اٹھا رہا تھا۔ دبی آواز میں کچھ کہہ بھی رہا تھا۔ آواز اتنی ہلکی تھی کہ کچھ سنائی نہ دیا۔ نہ وہ سننے کی خواہشمند تھی۔

''کیف؟'' اپنی موجودگی کا احساس دلانے کے لیے پکارا۔ وہ ایک دم جھٹکے سے مڑا۔ موبائل چھوٹ گیا۔ شاپنگ بیگ بھی نیچے گر گیا۔ وہ ڈر کے ایک قدم پیچھے ہٹی۔

''سوری۔ میں نے تمہیں ڈرا دیا؟''

''نہیں نہیں۔ میں کسی اور خیال میں تھا۔'' کیف کی رنگت تبدیل ہوئی جیسے وہ لمحے بھر کے لیے پریشان ہوا ہو۔

مگر فوراً سے سنبھل گیا۔ جلدی سے موبائل اٹھانے جھکا جو کشمالہ کے قدموں کے ساتھ گرا تھا۔ اس نے گردن جھکا کے دیکھا۔ اس پہ کال ملی ہوئی تھی۔ ''وائٹ ہیئر'' لکھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ کیف نے جلدی سے فون اٹھایا اور کال کاٹ کے اسے جیب میں ڈال دیا۔

''میرا ایک انکل ہے۔ اس سے بات کر رہا تھا۔'' اب وہ پنجوں کے بل بیٹھا شاپنگ بیگ سے نکلا سامان اندر واپس ڈال رہا تھا۔

''میں فری ہوں۔ چلیں؟'' اس نے نظر انداز کیا۔ البتہ وہ دیکھ سکتی تھی کہ اس کے ہاتھ میں ایک اسکیچ بک اور چند گریفائٹ پنسلز تھیں جنہیں وہ جلدی جلدی سمیٹ رہا تھا۔ پھر وہ کھڑا ہوا۔ نظر کشمالہ کے ہاتھوں پہ گئی۔ فوراً ہاتھ بڑھایا۔

''یہ مجھے پکڑا دیں۔''

''نو پرابلم۔ میں اٹھا سکتی ہوں۔'' وہ آگے جانے لگی لیکن کیف سامنے آیا اور ''ادھر لائیں'' کہتے ہوئے نرمی سے اس سے شاپنگ بیگ لے لیا۔ وہ بنا کچھ کہے آگے بڑھ گئی لیکن اسے اچھا لگا تھا۔ اس نوجوان میں بہت مینرز تھے۔ بس یونیفارم والی بات پہ ''میں ایسے ہی ٹھیک ہوں'' والا ایٹی ٹیوڈ نہ ہوتا تو وہ بہترین ملازم تھا۔ کشمالہ کے تجربے کے مطابق ایٹی ٹیوڈ والا ملازم زیادہ دیر تک ملازم نہیں رہ سکتا تھا۔ دیکھتے ہیں یہ کتنا عرصہ ٹکتا ہے۔

''کافی لیں گی؟'' لفٹ کی طرف جاتے ہوئے کیف نے پوچھ لیا۔ وہ اس سے دو قدم پیچھے چل رہا تھا۔

''ہاں میرے لیے ایک...''

''اسپریسو ڈبل شاٹ۔ رائٹ؟''

وہ پرس سے کارڈ نکالتے ہوئی چونکی۔ ابرو تعجب سے اکٹھی ہوئیں۔

''تمہیں کیسے معلوم میں کیسی کافی پیتی ہوں؟''

''آپ کی اسسٹنٹ صاعقہ سے پوچھا تھا۔'' وہ مسکرایا۔ گال کا گڑھا گہرا ہوا۔

''نہیں، میں تمہیں اپنا اسسٹنٹ نہیں رکھنے لگی۔''

''حالانکہ آپ کو ایک نئے اسسٹنٹ کی ضرورت ہے۔'' اس کے ہاتھ سے کارڈ اچکتے ہوئے مسکرا کے بولا۔ ''صاعقہ کو اوشن جیسی تنخواہ دینا آپ افورڈ نہیں کر سکتیں۔ جلد یا بدیر آپ کو کوئی نیا کام شروع کرنا ہوگا۔ اس وقت کم تنخواہ پہ اگر کوئی دستیاب ہے تو وہ میں ہوں۔''

''کافی لاؤ شاباش۔'' ابرو سے اشارہ کیا۔ وہ مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

کیف نے اسے گھر ڈراپ کیا تو وہ اسے صبح جلد آنے کی ہدایت دیتے ہوئے کار سے نکلی۔ پھر شاپنگ بیگز لیے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ وہ وہیں گیٹ کے اندر کھڑا موبائل پہ اپنے لیے رائیڈ بک کروانے لگا۔ اس وقت گھر پہ کوئی نہیں ہوتا تھا۔ ممانی ورکنگ وومن تھیں۔ بچے اسکول کالج والے تھے۔ وہ بیگز لیے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

اوپر ٹیرس تک آئی تو رک گئی۔ بیگز وہیں فرش پہ رکھ دیے۔ گردن موڑ کے پیچھے دیکھا۔ وہ موبائل کان سے لگائے ادھر ادھر ٹہل رہا تھا۔ اسی پل چہرہ اٹھا کے اوپر دیکھا۔ کشمالہ کے چہرے کی پریشانی بھانپ کے وہ الرٹ سا ہوا۔ موبائل نیچے کیا اور سوالیہ انداز میں ابرو اٹھائے۔

''ادھر آؤ۔'' اس نے دو انگلیوں سے اوپر آنے کا اشارہ کیا۔ وہ تیزی سے اندر آیا۔ سیڑھیاں دو دو کر کے پھلانگیں۔ انداز چوکنا تھا۔

ٹیرس کے دہانے پہ آ کے وہ رک گیا۔ نظریں فرش سے ہوتی ہوئی داخلی دروازے تک اٹھتی گئیں۔

''تم نے پوچھا تھا نا میرے پچھلے گارڈز جاب کیوں چھوڑ جاتے ہیں؟ یہ ہے اس کی وجہ۔'' کشمالہ نے فرش کی طرف اشارہ کیا۔

سیڑھیوں کے اختتام پہ خون پڑا تھا۔ بہت سا خون۔ جیسے کسی نے پیالہ بھر کے انڈیل دیا ہو۔ خون کے چھینٹے دیوار پہ بھی آئے ہوئے تھے۔ اور وہ ابھی تک گیلا تھا۔

''کیا یہ پہلے بھی کبھی ہوا ہے؟'' وہ احتیاط سے پیر بچاتے ہوئے اوپر آیا۔ پھر ایک جگہ اکٹھے ہوئے گیلے خون کے ساتھ پنجوں کے بل بیٹھا۔ گردن جھکا کے غور سے اسے دیکھا۔

''ایک گارڈ نے اسی وجہ سے جاب چھوڑی تھی۔ اور دوسرے نے اس لیے کہ کسی نے پتھر مار کے میری کار کا شیشہ توڑ دیا تھا۔''

''اور تیسرا؟'' وہ گردن جھکائے خون کا معائنہ کر رہا تھا۔

''اس کو میں نے خود نکالا تھا۔ اسموکنگ کرتا تھا۔'' اس نے بے چینی سے خون آلود فرش کو دیکھا۔ عجیب وحشت ہو رہی تھی وہ سب دیکھ کے۔ پھر اس نے دیکھا' پنجوں کے بل زمین پہ بیٹھا کیف خون کی طرف انگلی بڑھا رہا ہے۔

''ہاتھ مت لگاؤ اسے۔ پتہ نہیں کس کا خون ہے۔''

کیف نے آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ بولا کچھ نہیں۔ واپس سر جھکایا اور دو انگلیاں خون میں ڈبوئیں۔ پھر سرخ

پوروں کو چہرے کے قریب لا کے سونگھا۔ اس کے بعد اسے انگوٹھے اور انگلیوں کے درمیان مسلا جیسے کپڑا مسل کے چیک کرتے ہیں۔

''یہ خالص خون نہیں ہے۔ اسے پتلا کیا گیا ہے۔''

وہ چونک گئی۔ ''پتلا؟ کیوں؟''

''تاکہ یہ جلدی خشک نہ ہو اور آپ کے پیروں کے ساتھ لگ جائے۔ اصل خون جلد گاڑھا ہو کے جم جاتا ہے۔''

کشمالہ نے سر جھکا کے اپنی سفید ہیلز دیکھیں۔ وہ صاف تھیں۔

کیف اب کھڑے ہوتے ہوئے ٹشو سے ہاتھ صاف کر رہا تھا۔ ''کوئی آپ کو ڈرانے کی کوشش کر رہا ہے۔''

اس نے تھک کے گہری سانس لی۔

''اگر تم جاب چھوڑنا چاہتے ہو تو ابھی سے بتا دو۔ مجھے کل لاہور جانا ہے۔ میں ڈرائیور کا بندوبست کر رکھوں۔''

''میں کیوں جاب چھوڑوں گا؟'' ٹشو سے انگلیاں رگڑتے ہوئے وہ حیرت سے بولا۔

''اس حرکت سے ڈر کے۔ لوگ خون دیکھ کے ڈر جاتے ہیں۔''

''میں ایسے انسان سے کیوں ڈروں گا جو بزدلوں کی طرح چھپ کے کسی عورت کے گھر میں خون پھینکتا ہے؟'' وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ مروڑا ہوا خون آلود ٹشو اس کے ہاتھ میں تھا۔ ''میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا آپ کی حفاظت کا۔ آج میں آپ سے ایک اور وعدہ کرتا ہوں کہ میں اس شخص کو ڈھونڈ کے آپ کے پاس ضرور لاؤں گا۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ کچھ تھا اس کے انداز میں۔ یقین دلانے والا۔ بے خوف کر دینے والا۔ اس کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑنے لگے۔ اس نے ممنونیت سے کیف کو دیکھا۔ بولی کچھ نہیں۔

وہ اب سوچتی نظروں سے اطراف میں دیکھ رہا تھا۔

''کوئی سی سی ٹی وی نہیں ہے؟''

''بتایا نا۔ یہ لوگ لگوانے نہیں دیتے۔ گھر کے باہر لگا ہوا ہے ایک سی سی ٹی وی۔ اس میں کبھی کوئی نظر نہیں آیا۔ چوکیدار بھی موجود ہے۔ وہ کسی کو یوں داخل نہیں ہونے دیتا۔''

''ضروری نہیں ہے کہ کوئی باہر سے آیا ہو۔'' وہ ٹیرس کی ریلنگ کے ساتھ چلتے ہوئے نیچے دیکھ رہا تھا۔ ''گھر کے کسی ملازم کو پیسے دے کر بھی یہ کام کروایا جا سکتا ہے۔''

''ناممکن۔ ماموں کے ملازم بہت پرانے ہیں۔ ہم سب ہر موقعے پہ ان کی مدد کرتے ہیں۔ وہ ایسے کیوں کریں

گے؟''

''آپ ان کو پیسے سے خوش رکھتی ہیں۔ وہی پیسہ کوئی زیادہ دے تو وہ اس کا کام کر دیں گے۔ پیسہ ہر وقت ہر ایک کی ضرورت ہوتا ہے' باس۔ آپ اس سے کسی کو بھی خرید سکتے ہیں۔'' وہ منڈیر سے جھک کے کچھ دیکھ رہا تھا۔

''تمہیں بھی؟''

کیف ٹھٹھک کے رکا۔ پھر آہستہ سے اس کی طرف پلٹا۔

وہ سینے پہ بازو لپیٹے سنجیدگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''وہ ہوتا ہے نا موویز میں... باڈی گارڈ کو سب سے پہلے خریدا جاتا ہے۔ اگر میرا اسٹاکر (فرش پہ گرے خون کی طرف اشارہ کیا) تمہیں خریدنا چاہے تو کیا کرو گے؟''

لمحے بھر کو ٹیرس پہ سناٹا چھا گیا۔

''آپ کسی سے پوچھیں کہ وہ بک سکتا ہے تو وہ کہے گا نہیں۔ میں بھی یہی کہوں گا۔ وقت کے ساتھ آپ کو خود اندازہ ہو جائے گا۔''

وہ ہلکا سا مسکرا دی۔ ''میں مذاق کر رہی تھی۔ تم جاؤ تمہاری رائیڈ آ گئی ہے۔'' نیچے اوبر بائیک پہنچ چکا تھا۔ کیف نے بائیکر کو اشارہ کیا۔ پھر واپس اس کی طرف پلٹا۔

''آپ پریشان تو نہیں ہیں؟ یعنی اس خون سے۔''

''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلا کے کندھے اچکائے۔ ''اب مجھے عادت ہو گئی ہے۔ اور تم نے کہا نا' وہ مجھے مارنا نہیں چاہتا۔''

لیکن جب وہ چلا گیا تو مالا کو احساس ہوا کہ خون دیکھ کے اسے ایک دفعہ پھر سے وحشت شروع ہو گئی تھی۔ وہ جوتے بدل کے آئی' اور فرش صاف کرنے میں جت گئی۔ پہلے خون صاف کیا۔ پھر پائپ لگا کے فرش دھو دیا۔ جب تھک ہار کے لاؤنج میں واپس آئی تو مغرب اتر رہی تھی۔

''آج پھر سے کسی نے ٹیرس پہ خون پھینکا ہے۔'' ماہی کو میسج لکھا۔ پھر مٹا دیا۔ پھر لکھا۔ پھر مٹا دیا۔ پھر تیسری دفعہ لکھ کے سینڈ دبا دیا۔

کینیڈا کے شہر چلی ویک میں ماہ بینہ اور عباد کے گھر کا واحد بیڈروم خاموشی میں ڈوبا تھا۔ ماہی کروٹ کے بل سو رہی تھی جب میسج ٹون سے اس کی آنکھ کھلی۔ وہ ایک دم اٹھ بیٹھی۔ بدقت پلٹ کے دیکھا۔ عباد گہری نیند سو رہا تھا۔

ماہی نے چھوٹے بال کانوں کے پیچھے اڑسے اور فون اٹھا کے کھولا۔ چہرہ موبائل کی نیلی روشنی سے روشن ہو گیا۔

میسیج پڑھ کے اس کی آنکھوں میں فکرمندی اتر آئی۔ انگلیاں ٹائپ کرنے لگیں۔

''It's him'' لکھ کے بھیج دیا۔ پھر دبے قدموں وہ لحاف تلے سے نکلی۔ اس نے آدھی آستین کا گاؤن پہن رکھا تھا۔ بال کھلے تھے۔ وہ ننگے پیر لکڑی کے فرش پہ چلتی دروازے تک آئی۔ ذرا سے چلنے پہ بھی آہٹ سنائی دیتی تھی۔

لونگ روم میں ٹی وی کنسول کے نیچے بنے کیبنٹ کو وہ چند لمحے دیکھتی رہی۔ کھولے یا نہ کھولے۔ پھر اس نے کونے والی کیبنٹ کھولی۔ جھک کے اندر سے ایک اسکیچ بک نکالی۔ اور سیدھی ہوئی۔

اسکیچ بک کے درمیان میں کہیں گریفائٹ پنسل رکھی تھی۔ ماہی نے پینسل والے صفحے کو کھولا۔

وہاں ایک تصویر بنی تھی۔ وہ چند لمحے اس تصویر کو دیکھتی رہی۔ مالا کے ساتھ جو کچھ ہو رہا تھا' اس کا ذمہ دار یہ چہرہ تھا۔ اس کی آنکھیں... اس کی فاتحانہ مسکراہٹ... وہ اس چہرے کو بنا پلک جھپکے دیکھ رہی تھی۔ عجیب بے بسی اور نفرت کا احساس ہو رہا تھا۔

اس نے اسکیچ بک واپس رکھ دی۔ پھر دیوار پہ نصب گھڑی کی طرف دیکھا۔ فجر کا وقت ہونے کو تھا۔

وہ مالا کے لیے کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ مالا اس کی نہیں سنتی تھی۔ کوئی ماہی کی نہیں سنتا تھا۔ وہ صرف دعا کر سکتی تھی۔ وہ دعا کرے گی اور سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ماہی کی دعائیں عموماً قبول ہوا کرتی تھیں۔ یہ بھی ہو گی۔ وہ خود کو تسلی دیتی ہوئی وضو کرنے چل دی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیف اگلی صبح فجر ہوتے ہی اسے لینے آ گیا تھا۔ پہلے اس نے مالا سے دوبارہ اس کا ٹیرس دیکھنے کی اجازت مانگی۔ چوکیدار اس نوجوان کو اوپر جاتے دیکھ کے گھورتا رہا لیکن اس نے پرواہ نہیں کی۔ ہر طرف سے ٹیرس کا جائزہ لیا۔ پھر گھر کے لاکس چیک کیے۔ کھڑکیوں کا جائزہ لیا۔ جب مطمئن ہوا تو نیچے آیا۔ اور ان کا سفر شروع ہوا۔

وہ لانگ روٹ پہ ڈرائیو نہیں کرتی تھی کیونکہ کر نہیں سکتی تھی۔ اسے متلی ہوتی تھی۔ اس لیے وہ پچھلی سیٹ پہ کھڑکی سے سر ٹکا کے سونے کی کوشش کرنے لگی۔ چلنے سے قبل اس نے ماں کو میسیج کر دیا تھا۔ اب ہر گھنٹے بعد ماں کا میسیج آتا تھا۔ کہاں پہنچی ہو۔ خیریت سے سفر گزر رہا ہے؟ وہ مسکرا کے جواب دیتی اور فون رکھ کے آنکھیں موند لیتی۔ وہ بھی خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔

''کچھ لیں گی آپ؟'' قیام و طعام اسٹیشن پہ کار اندر لے جاتے ہوئے کیف نے پوچھا۔ جواب نہیں آیا تو اس نے گردن موڑ کے دیکھا۔ وہ سر سیٹ کی پشت سے ٹکائے آنکھیں موندے ہوئے تھی۔ سر قدرے ترچھا پڑا تھا۔ ایک طرف سے کیچر سے نکلتے بالوں نے آدھے چہرے کو ڈھانپ رکھا تھا۔ ساتھ سیٹ پہ ٹوکری میں ننھے ننھے پودے رکھے تھے۔

وہ واپس سیدھا ہو گیا۔ چہرے پہ اضطراب پھیلا۔ کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔

اب بھی وقت تھا۔ وہ اس کو سب کچھ بتا سکتا تھا۔ وہ یہاں کیوں ہے۔ اور وہ اس کو کیسے دھوکہ دے رہا ہے۔ وہ یہ ڈیزرو نہیں کرتی تھی کہ وہ اسے دھوکہ دے۔ اس میں اور ظہیر میں فرق ہونا چاہیے تھا۔

کیف نے آنکھیں کھولیں۔ ونڈ اسکرین کے پار دیکھا۔ دنیا ویسی ہی تھی جیسی اس کے آنکھیں بند کرنے سے پہلے تھی۔ آنکھیں بند کر لینے سے حقیقت نہیں بدل سکتی تھی۔ اسے خاموشی سے صرف اپنا کردار ادا کرنا تھا۔ اسے اس لڑکی سے ہمدردی کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اسے اپنے مسئلے حل کرنے تھے۔ وہ اس کو دھوکہ ضرور دے رہا ہے لیکن ساتھ ہی وہ اس کی حفاظت بھی کرے گا۔ یوں حساب برابر ہو جائے گا۔ بس دو ماہ وہ اس کی نوکری کرے گا اور پھر کہیں غائب ہو جائے گا۔ وہ اسے بھول جائے گی۔ اور معاملہ دفن ہو جائے گا۔ بس دو ماہ اور۔

کشمالہ کی کھڑکی کے شیشے پہ دستک ہوئی تو اس نے چونک کے آنکھیں کھولیں۔ پھر شیشہ نیچے کیا۔ کیف باہر کھڑا کافی کا کپ اس کی طرف بڑھائے ہوئے تھا۔

''ریسٹ ایریا آ گیا؟'' وہ خود سے بولی اور کپ تھام لیا۔ آنکھوں میں ابھی تک کچی نیند تھی۔ وہ گھوم کے واپس ڈرائیونگ سیٹ تک آیا۔ اپنی کافی اس نے کپ ہولڈر میں رکھی اور سیٹ بیلٹ پہننے لگا۔

''ایک بات پوچھوں آپ سے؟'' کار اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔ وہ کافی کے گھونٹ بھرتے ہوئے اسے سنے گئی۔

''آپ کے پاس کوئی فیوچر پلان تو ہو گا۔ دوبارہ سے اپنا کام سیٹ کرنے کا پلان۔''

''تمہارا مطلب ہے کامیابی کا نیا پلان۔'' وہ باہر دیکھتے ہوئے تلخی سے مسکرائی۔ ''اسکول سے یونیورسٹی تک' کتابوں سے انٹرنیٹ تک' سب یہی سکھاتے آئے ہیں کہ کامیاب کیسے ہونا ہے۔ کوئی یہ کیوں نہیں سکھاتا کہ ناکام کیسے ہونا ہے؟ جاب چلی جائے گی تو کیا کرو گے؟ کام میں نقصان ہو گا تو کیا کرو گے؟ صفر سے دوبارہ کیسے شروع کرو گے؟ سب ہمیں کامیابی کے لیے تیار کرتے ہیں۔ کوئی ہمیں ناکام ہونے کے لیے تیار کیوں نہیں کرتا؟''

''میرے خیال میں انسان کا ایکسیڈنٹ ایک دم سے نہیں ہوتا۔ پہلے near misses ہوتے ہیں تا کہ ہم سنبھل جائیں۔ ریڈ فلیگز نظر آتے ہیں۔ ظہیر کے بارے میں بھی آپ کو نظر آئے ہوں گے۔'' وہ ڈرائیو کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ کشمالہ نے سوچتی نظروں سے اس کے کندھے کی پشت کو دیکھا۔

''کیا تمہیں قرضوں میں گھرنے سے پہلے ریڈ فلیگز نہیں نظر آئے تھے؟ طنز نہیں کر رہی۔ اس لیے پوچھ رہی ہوں کیونکہ تم بہت اسمارٹ لگتے ہو۔ پھر اتنا نقصان کیسے کر لیا اپنا۔''

کیف نے گہری سانس لی۔ ''ایک اچھا بزنس مین بننے کے لیے اسمارٹ ہونا کافی نہیں ہوتا۔''

''پھر کیا چاہیے ہوتا ہے؟''

''ایک آئیڈیا۔ ایک یونیک آئیڈیا۔ اس آئیڈے سے محبت کرنا۔ پھر اس کے گرد بہت محنت سے اپنے کام کو تعمیر کرنا۔'' اس کی آواز میں جوش سا بھر گیا تھا۔ ''پھر اس آئیڈیے کو کامیاب کرنے کے لیے ایک اچھی ٹیم بنانا اور بیچنے سے پہلے اپنی ٹارگٹ آڈینس کا علم ہونا۔ اپنے کام کی کوالٹی اور ویلیوز پہ کبھی سمجھوتہ نہ کرنا۔''

وہ اسٹیئرنگ وہیل پہ ہاتھ جمائے بولے جا رہا تھا اور وہ انگلیوں پہ گن رہی تھی۔

''مگر یہ سب کافی نہیں ہوتا' باس۔ بزنس میں ترقی یہاں سے آتی ہے۔'' ایک ہاتھ اسٹیئرنگ سے ہٹا کے اپنی پیشانی پہ دستک دی۔ ''آپ کی پیشانی کے بخت سے۔''

کشمالہ نے تعجب سے ابرو اٹھائی۔ ''یعنی قسمت؟''

''یعنی قسمت۔'' اس نے تائید میں سر ہلایا۔

''تم کہہ رہے ہو کہ انسان کی قسمت اس کی محنت سے زیادہ ضروری ہے؟''

''محنت اور بزنس کی سمجھ بوجھ۔ یہ لازم ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی ہم فیل ہو جاتے ہیں کیونکہ اس چیز میں ہمارا بخت نہیں ہوتا۔ لیکن وہ کسی دوسری چیز میں ضرور ہوتا ہے۔ آپ کا اگر بخت ریستوران میں نہیں ہے' تو شاید وہ کسی اور کام میں ہو۔ اب بتائیں۔ کیا میں اسسٹنٹ پوزیشن کے لیے ہائر کر لیا گیا ہوں؟''

''جانتے ہو تم میں اور میرے پرانے ڈرائیورز میں فرق کیا ہے؟''

''وہ میری طرح اسٹریٹ اسمارٹ نہیں تھے؟''

''وہ اتنا بولتے نہیں تھے۔'' اور چہرہ موڑ کے باہر دیکھنے لگی۔ اس سے بہتر اسسٹنٹ کشمالہ کو نہیں ملنے والا تھا۔ لیکن ابھی وہ اس بات کا اعتراف نہیں کرنا چاہتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کشمالہ معید 'ماہ بینہ اور حورِ جہاں کا گھر ''مبین منزل'' کہلاتا تھا۔ شہر کے ایک پوش علاقے میں بنا ایک کنال کا دومنزلہ گھر جس کے لان میں بوگن ویلیا کے درخت ہر دیوار کے ساتھ اُگے تھے۔ گھر کا کوئی کونا گملوں اور بیلوں سے خالی نہ تھا۔

وہ کار سے نکلی اور آنکھیں بند کر کے اپنے گھر کی فضا میں گہرا سانس لیا۔ کہتے ہیں انسان محبت اور سکون کی تلاش میں ساری دنیا کا سفر کرتا ہے مگر وہ اس کے گھر پہ اس کا منتظر ہوتا ہے۔

سلیم گیٹ بند کر کے اس طرف آیا تو اس نے کیف کی طرف اشارہ کیا جو کار ٹرنک سے اس کا سامان نکال رہا تھا۔

''یہ میرا ڈرائیور ہے کیف۔ اس کو اس کا کمرہ دکھا دو۔ اور کھانا کھلا دو۔''

پھر وہ آگے آئی۔ داخلی دروازہ کھولا۔ سامنے راہداری تھی جو لاؤنج میں کھلتی تھی۔ برسوں پرانی عادت تھی۔ اسے معلوم تھا جب وہ راہداری کا کونا مڑے گی تو ایک تخت نظر آئے گا۔ اس تخت پہ ماں بیٹھی ہوں گی۔

کشمالہ کے قدم آگے بڑھے۔ راہداری کا کونا عبور کیا۔ اور سامنے وہی پرانا منظر نظر آیا۔

لاؤنج میں صوفے بھی تھے لیکن حور جہاں بیگم تخت پہ بیٹھی تھیں۔ ایک ٹانگ سیدھی لمبی کیے۔ دوسری اندر کی طرف موڑے۔ گھٹنے کے ساتھ سبزی کے تھال رکھے تھے۔ سر پہ دوپٹہ تھا جو ایک کان کے پیچھے اڑسا ہوا تھا۔ وہ چہرہ جھکائے آلوؤں کے قتلے کاٹے جا رہی تھیں۔ بھرے بھرے سفید بازو آستینوں سے جھلک رہے تھے۔ دائیں کلائی میں سونے کی چوڑیاں تھیں۔

حورِ جہاں بیگم فربہ خاتون تھیں۔ رعب دار اور دبنگ سی۔ لیکن ساتھ ہی کچھ بہت نرم اور ملائم سا تھا ان میں۔ چہرہ سفید گلابی سا تھا۔ ناک میں ہیرے کی لونگ تھی۔ سبز آنکھوں کے گرد جھریاں تھیں۔ پیشانی اور قلموں سے سیاہ سفید بال جھلکتے تھے۔ بڑھتی عمر نے ان کے حسن کو گہنایا نہیں تھا۔ بلکہ مزید باوقار کر دیا تھا۔

آہٹ پہ انہوں نے سر اٹھا کے دیکھا۔ چہرہ کھل اٹھا۔ سبز آنکھوں میں رونق دوڑ گئی۔

''میری بیٹی آ گئی۔'' چھری ایک طرف رکھی۔ گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کے پیر نیچے اتارے۔ پھر پیروں سے زمین پہ جوتے تلاش کیے کہ فربہ خاتون تھیں۔ جھک نہیں سکتی تھیں۔ تب تک وہ ان کے قریب آ پہنچی تھی۔

''میری پیاری ماں۔'' اس نے پرس ایک طرف پھینکا۔ اور جھک کے ان کے گلے سے لگ گئی۔ ماں کافی فربہ

تھیں۔ وہ ان کے مقابلے میں دبلی پتلی سی تھی۔ ماں نے اس کا چہرہ دونوں طرف سے چوما۔ ان کے چہرے پہ اتنی خوشی تھی کہ بیان سے باہر تھی۔

''میری بیٹی کیسی ہے۔ اچھا کیا واپس آ گئی۔'' اس سے الگ ہو کے اس کا چہرہ دیکھ کے بولیں۔ ''اس ظہیر کو تو...''

''چھوڑیں اس کو ماں۔'' وہ ماں سے الگ ہو کے نرمی سے بولی۔ پھر دیکھا ساتھ چوکی پہ بخت بی بیٹھی تھی۔ وہ جھک کے اس سے بھی ملی۔ بخت بی ادھیڑ عمر عورت تھی۔ بالوں میں تیل لگا کے کس کے چوٹی بنائے وہ کانوں میں سنہری بالیاں پہنے ہوئے تھی۔ وہ مالا کو ملی تو بے اختیار دعا دی۔ بخت بی جب ملتی ایسے ہی دعائیں دیا کرتی تھی۔

بخت بی بی کتنے برسوں سے ان کی ملازمہ تھی' اب تو مالا کو گنتی ہی بھول گئی تھی۔ بس اتنا یاد تھا کہ اس کا شوہر مرا تھا تو وہ پانچ بچوں کے ساتھ ان کے سرونٹ کوارٹر میں آئی تھی۔ اب اس کے بچے جوان ہو کے اس آشیانے سے اڑ چکے تھے۔ ایک بیٹا سلیم چوکیدار بھی تھا اور سودا سلف بھی لاتا تھا۔ باقی بیٹیوں کی شادی ہو گئی لیکن بخت بی بی اور ماں کا ساتھ قائم تھا۔

''سفر ٹھیک گزرا؟ راستے میں متلی تو نہیں ہوئی؟'' وہ ماں کے کندھے سے سر ٹکائے بیٹھی تھی اور وہ اس کے بال کان کے پیچھے اڑس رہی تھیں۔

''نہیں ماں۔ ڈرائیور ساتھ لائی ہوں۔''

تبھی راہداری میں آہٹ ہوئی۔ ماں نے چونک کے دیکھا۔ کیف ہاتھ میں ٹوکری لیے کھڑا تھا۔ وہ سیدھی ہو کے بیٹھی۔

''پلانٹس کہاں رکھوں؟''

''میاں تم کون ہو اور اندر کہاں چلے آ رہے ہو؟'' حورِ جہاں بیگم کے ماتھے پہ بل پڑے۔ دو انگلیوں سے اشارہ کیا۔ ''پیچھے۔''

''سوری۔ میں...'' وہ اس حملے کے لیے تیار نہیں تھا۔ متذبذب سا چند قدم پیچھے ہوا۔ ''میں کیف جمال ہوں۔ کشمالہ بی بی کا ڈرائیور۔''

''تمہاری بی بی نے تمہیں بتایا نہیں ہے کہ ڈرائیور گھروں کے اندر نہیں آتے؟ اور پیچھے۔'' دو انگلیاں جھٹک کے کہا۔

''سوری۔'' وہ ناسمجھی کے انداز میں مزید پیچھے ہوا۔ کشمالہ نے مسکرا کے آنکھوں سے اشارہ کیا۔ کیف نے ٹوکری وہیں رکھی اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

''یہ کیا تم رنگ برنگے ڈرائیور رکھتی رہتی ہو۔'' ماں نے خفگی سے اسے دیکھا۔ وہ بے اختیار ہنس دی۔

''باجی یہ ڈرائیور تو نہیں لگتا۔'' بخت بی لاؤنج کی دیوار گیر کھڑکی کو دیکھ رہی تھی۔ وہاں کیف سلیم کے ساتھ جاتا دکھائی دے رہا تھا۔

''یہ میرا اسسٹنٹ بھی ہے' ماں۔ بتایا تھا نا۔ میں نیا بزنس سیٹ کرنے لگی ہوں۔''

ماں کی سبز آنکھوں میں افسوس سا ابھرا۔ تاسف سے سر ہلایا۔

''کیا کرو گی اتنا پیسہ کما کے' مالا؟''

اور یہیں پہ ماں اور اس کا اختلاف شروع ہوتا تھا۔

''ماں.... یہ اکیسویں صدی ہے۔ عورت صرف پیسے کے لیے کام نہیں کرتی۔ اسے اپنا بھی کچھ چاہیے ہوتا ہے تاکہ اس کی sanity برقرار رہے۔ وہ خود کو گھر کے چولہے میں ضائع نہ کرے۔ حورِ جہاں بیگم کی طرح۔'' ماں کے کان کے پاس شرارت سے جھکی۔

ان کی آنکھوں میں خفگی اتری۔ ''پرے بدتمیز۔ تمہیں لگتا ہے میں نے خود کو ضائع کیا؟'' سر جھٹک کے چھری اٹھا لی اور آلو کے کھٹ کھٹ ٹکڑے کرنے لگیں۔ اب پروٹوکول ختم تھا۔ مالا اب پرانی ہو چکی تھی۔ ماں اس سے زیادہ بچوں کو پروٹوکول دینے کی عادی نہیں تھیں۔

''ضائع نہیں کیے تو کچھ productive بھی نہیں کیا۔ ماسٹرز ہولڈر تھیں۔ مگر بچوں میں لگی رہیں۔ آپ کا سارا دن اسی فکر میں گزرتا ہے کہ آپ کے بچوں نے کھانا کھایا یا نہیں۔ اب وہ بچے اپنی اپنی زندگیوں میں چلے گئے ہیں۔ اگر کوئی کیریئر یا مشغلہ اپنایا ہوتا تو آج فراغت میں آپ کے پاس کچھ کرنے کو ہوتا۔ آپ اب بھی سبزی کاٹ رہی ہیں جو بخت بی بھی کاٹ سکتی ہے۔ یہی فرق ہے آپ کی اور ہماری جنریشن میں۔ آپ چولہے سے نہیں نکلتیں اور ہم دنیا فتح کرنا چاہتے ہیں۔''

''بخت تو... اپنی مالا بی بی کو بتاؤ کہ ہر انسان دنیا میں اپنا کردار ادا کرنے آتا ہے۔ کسی کا کردار دنیا فتح کرنا ہوتا ہے اور کسی کا اس فاتح کی تربیت کرنا۔''

مگر مالا مسکرا کے شانے اچکا کے اٹھ گئی۔ ''اگر آپ نے تیس سال پہلے کوئی بزنس شروع کیا ہوتا تو آج آپ بھی

ایک بزنس وومن ہوتیں۔ کبیرہ تائی کی طرح۔"

ماں نے اپنی چپل کی تلاش میں پیر زمین پہ مارا۔ وہ ہنستی ہوئی بیگ اٹھا کے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ ماں خفگی سے بڑبڑاتے ہوئے سبزی کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

کبیرہ تائی ہماری کہانی کا ایک اہم کردار ہیں۔ وہ ابا کے فرسٹ کزن کی بیوی تھیں۔ ایک خوبصورت' دولتمند اور بااثر خاتون۔ اس کے علاوہ جن خصلتوں سے وہ پہچانی جاتی تھیں ان میں تکبر' بدزبانی اور منافقت سرفہرست تھیں۔ بھری محفلوں میں دوسروں کا تمسخر اڑانا تو لازم تھا۔ کسی کی بدصورتی تو کسی کی غربت کا مذاق۔ خود حسین تھیں۔ رئیس تھیں۔ رشتے داران کے گرد منڈلاتے تھے۔

بیٹے والے ان کی بیٹی کی وجہ سے۔ اور بیٹی والے ان کے اس بیٹے میں دلچسپی رکھتے تھے جو ماں کی طرح مغرور مشہور تھا۔ اتنا مغرور کہ وہ کبھی پاکستان نہیں آیا تھا نہ اپنے رشتے داروں سے ملا تھا۔

ان کا بیٹا جب تین چار برس کا تھا' تب وہ لوگ انگلینڈ شفٹ ہو گئے تھے۔ کئی برس بعد ان کی فیملی خود تو پاکستان سیٹل ہو گئی لیکن ان کا بیٹا لوٹ کے نہیں آیا۔ نہ اسے کبھی کسی نے دیکھا۔ نہ کوئی اس سے ملا۔ بس کبیرہ تائی تھیں جو ہر محفل میں بیٹھ کے اپنے بیٹے کی کامیابی اور وجاہت کے قصے سنایا کرتی تھیں۔ اپنے بیٹے پہ ان کو بہت ہی مان تھا۔ ماہی کا کہنا تھا کہ ان کا بیٹا بھی انہی کی طرح ہو گا۔ سائیکو کیس۔

کبیرہ تائی کو کوئی نفسیاتی عارضہ بھی تھا۔ وہ لوگوں کو اپنے گرد جمع کر کے تسکین محسوس کرتی تھیں۔ کسی بھی رشتے دار کے گھر خوشی غمی ہوتی تو فوراً پہنچ جاتیں۔ مہنگے گفٹس۔ بھاری سلامیاں۔ پھر اسی رشتے دار کے گھر بیٹھ کے باقی خاندان کا مذاق اڑاتیں۔

سارے خاندان میں اگر کبیرہ کی کسی سے نہیں بنتی تھی تو وہ حورِ جہاں بیگم تھیں۔

ماں جب بیاہ کے اس خاندان میں آئیں تو کبیرہ نے ان کو بھی اپنی دولت سے دبانے کی کوشش کی۔ لیکن حورِ جہاں ان عورتوں میں سے نہیں تھیں جن کی اپنی کوئی آواز نہیں ہوتی۔ یا وہ کسی کی دولت سے متاثر ہو کے اپنی آواز کھو دیتی ہیں۔ حورِ جہاں اپنے آپ میں کافی تھیں۔ حسین بھی تھیں اور پڑھی لکھی بھی۔ ان کو کسی قسم کا احساسِ کمتری نہ تھا۔ پہلی دفعہ جب بھری محفل میں انہوں نے کبیرہ کو کسی کا تمسخر اڑاتے اور خاندان والوں کو مسکرا کے سنتے دیکھا تو ٹوک دیا۔

"دیکھو کبیرہ۔ سب کی صورتیں شکلیں اللہ نے بنائی ہیں۔ جو خوبصورت ہیں ان کی خوبصورتی ہی ان کا امتحان ہوتا ہے۔ ایسے غرور نہ کیا کرو۔ اللہ کو یہ نہیں پسند۔"

ایسا کئی موقعوں پہ ہوا۔ یہاں تک کہ ایک محفل میں جب کبیرہ اپنی نند کا ذکر کرتے ہوئے کچھ کہنے لگیں تو حورِ جہاں یہ کہتے ہوئے اٹھ گئیں کہ "میں ایسی محفل میں نہیں بیٹھوں گی جہاں کسی کا مذاق اڑایا جائے۔ میں نے اللہ کو جواب دینا ہے۔"

محفل میں دوسرے لوگ بھی دبی دبی آواز میں بولنے لگے۔ آہستہ آہستہ سب تتر بتر گئے۔

وہ کبیرہ جس کے آگے سارا خاندان بچھ جاتا تھا' اس کو چار سدہ کے عام سے گھرانے کی ہاؤس وائف ٹوک کے اٹھ گئی تھی۔ کبیرہ بیگم کی ایسی توہین کسی نے کبھی نہ کی تھی۔ معید کا کہنا تھا کہ یہ اتنی بڑی بات نہیں تھی لیکن کبیرہ تھوڑی سائیکو بھی تھیں۔ ایسے لوگوں کو ہمیشہ ایک ولن کی تلاش ہوتی ہے جس کو وہ اپنی بے سکونی کے لیے الزام دے سکیں۔ اس لیے اس دن سے کبیرہ نے حورِ جہاں کے ساتھ بیر پال لیا۔

ایسے چند واقعات اور بھی ہوئے۔ تب کبیرہ انگلینڈ میں رہتی تھیں۔ وہاں بیٹھ کے بھی سارے پاکستان کی خبر رکھتیں۔ سال میں تین چار چکر بھی لگا لیتیں۔ انہوں نے خاندان میں مشہور کرنا شروع کر دیا کہ حورِ جہاں اس سے جلتی ہے۔ ایک دو الزام بھی لگائے ماں پر۔ کوئی نو دس سال پرانی بات ہے جب کبیرہ اور ماں کا اسی طرح ایک محفل میں پھر سے ٹاکرا ہو گیا۔ کبیرہ نے کسی کی بے عزتی کی اور ماں نے سب کے سامنے اس غریب رشتے دار کی سائیڈ لی۔

اس دن کے بعد کبیرہ اور ماں کی بول چال ختم ہو گئی۔ دوبارہ محفلوں میں ایک دوسرے کو جب بھی دیکھا' ماں پھر بھی سلام کہہ دیتیں لیکن کبیرہ گھمنڈ اور نفرت سے سر موڑ کے گزر جاتی جیسے سنا ہی نہیں۔ ماہی ماں کو منع کرتی تھی۔ وہ جواب نہیں دیتیں تو آپ کیوں سلام کرتی ہیں؟ لیکن ماں بڑے ہی سکون سے کہتیں کہ دیکھو اللہ نے ہم پہ سلام فرض کیا ہے۔ بیٹھ کے گپیں مارنا فرض نہیں کیا۔ میں بس اتنا کر رہی ہوں جتنا میرے اوپر فرض ہے۔

اب اتنے برس ہو گئے تھے۔ کبیرہ پاکستان واپس آ گئیں لیکن دونوں کے تعلقات بحال نہیں ہوئے تھے۔ کبیرہ کا نام اب ان کے لیے ایک مذاق تھا۔ مالا ماں کو تنگ کرنے کے لیے اس کا نام لیتی۔ ماہی کو جب کسی انسان کو شدید برا کہنا ہوتا تو اس کو کبیرہ سے ملا دیتی۔ اور رہا معید... تو جب اس کی ماہی سے لڑائی ہوتی تو وہ کہتا....

"پہلے زمانے میں mail ہوتی تھی۔ اب ای میل ہوتی ہے۔ ایسے ہی پہلے زمانے میں کبیرہ تھی اور اب ای

کبیرہ ہوتی ہے۔ اور وہ تم ہو ماہی۔"

وہ فریش ہو کے کمرے سے نکلی تو معید کچن کے دروازے پہ کھڑا تھا۔ ہاتھ میں سیب پکڑے کھا رہا تھا۔ اسے دیکھ کے ہنس دیا۔

"پھر کیسا مذاق کیا ظہیر نے آپ کے ساتھ؟" وہ قریب آیا اور بند مٹھی اس کی طرف بڑھائی۔ مالا نے ہنس کے اپنی بند مٹھی اس کی مٹھی سے ٹکرائی۔

"بدتمیز۔" پھر سر سے پیر تک معید کو دیکھا۔ "اپنی سناؤ۔ ماں کو ٹائم دیتے ہو یا فون پہ اپنی دوسری ماؤں کے ساتھ لگے رہتے ہو۔"

وہ جھینپ گیا۔ "میری ماں اس وقت صرف جنرل سرجری ہے او کے۔"

معید نکلتے ہوئے قد کا نوجوان تھا۔ کلین شیو۔ ماتھے پہ کٹے ہوئے بال۔ ماہی جیسی بھوری آنکھیں۔ چہرے پہ ہر وقت سجی مسکراہٹ۔ اور کانوں میں ہینڈز فری۔ وہ جنرل سرجری میں ٹریننگ کر رہا تھا۔ گھر اس کے لیے ہوٹل کی طرح تھا جہاں وہ صرف سونے آتا تھا۔

"یہ باہر تمہارا ڈرائیور ہے؟" معید نے سیب کی بائٹ لیتے ہوئے سرسری سا پوچھا۔

اُف یہ سوال۔ کیا تھا اگر کیف جمال یونیفارم پہن لیتا۔ یا اتنا خوش شکل نہ ہوتا۔

"ایک تو سب کو میرے ڈرائیور سے کیا مسئلہ ہے؟" وہ چڑی نہیں تھی۔ نہ اسے غصہ آیا۔ بس اس تکرار سے تھک گئی تھی۔

"مسئلہ نہیں ہے بابا۔ میں تو کہتا ہوں مجھے بھی اپنا ڈرائیور رکھ لو۔ بڑا اسکوپ ہے اس کام کا۔" وہ سیب کھاتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ اس کے پاس گھر والوں کے لیے بس اتنا وقت ہوتا تھا۔

وہ واپس کمرے میں آ گئی کیونکہ لاؤنج میں بیٹھی ماں اور بخت بی کی سرگوشیاں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

"باجی... مالا بی بی کی شادی کر دیں۔ پہلے تو ان کے سر پہ ریستوران سوار ہوتا تھا۔ شکر ہے وہ قصہ ختم ہوا۔"

اسے ہنسی آ گئی۔ بخت بی کو اس کی ٹریجڈی میں بھی امید کی کرن نظر آئی تھی۔

"تمہاری مالا بی بی ہی نہیں مانتی۔ ورنہ خاندان میں کس نے رشتہ نہیں مانگا۔ حسن بھی آزمائش ہے بخت بی بی۔"

مالا مسکراتے ہوئے کمرے میں آ گئی۔ اسے اس ذکر کی اتنی عادت تھی کہ اب فرق نہیں پڑتا تھا۔ یہ نہیں تھا کہ اسے کسی حسین ترین مرد سے شادی کرنی تھی۔ نہیں۔ بس وہ ذہین ہو۔ اس کے کام کو سپورٹ کرے۔ کم از کم ویسا ہو

جیسی وہ خود ہے۔اور یہ ساری خوبیاں اس کے رشتے داروں کے بیٹوں میں ایک ساتھ نہیں تھیں۔

کھڑکی کے پردے ہٹائے تو لان نظر آیا۔ کیف گیٹ کے ساتھ بنے گارڈ روم کے باہر کرسی ڈالے گود میں لیپ ٹاپ رکھے ٹائپ کر رہا تھا۔اس نے مالا سے کہہ رکھا تھا کہ وہ اپنے بزنس پلان پہ کام کر رہا ہے' اس لیے جب فارغ ہوگا اپنا کام کرتا رہے گا۔ مالا کو ظاہر ہے اعتراض نہیں تھا۔البتہ اس نے نوٹ کیا کہ سلیم ساتھ والی کرسی پہ بیٹھا دلچسپی سے کیف کو دیکھ رہا تھا۔ دونوں بات بھی کر رہے تھے۔خیر اسے کیا۔وہ وہاں سے ہٹ گئی۔

''یہ کمپیوٹر آپ کا اپنا ہے؟ نیا لگتا ہے۔''سلیم نے متاثر ہوتے ہوئے انگلی لیپ ٹاپ کے کنارے پہ پھیری۔ کیف نے ایک نظر اسے دیکھا۔

''تمہیں اگر کوئی فلم وغیرہ دیکھنی ہو تو میرے کمپیوٹر پہ دیکھ لینا۔''فراخ دلی سے آفر کی۔سلیم کا چہرہ کھل اٹھا۔

''شکریہ کیف بھائی۔''ذرا دیر کو خاموشی کا وقفہ آیا۔

''گھر میں کون کون ہوتا ہے؟''ٹائپ کرتے ہوئے سرسری سا سوال کیا۔

''معید بھائی اور بڑی باجی۔''سلیم جوش سے بتانے لگا۔''پہلے بڑی باجی کی چھوٹی بہن بھی یہاں رہتی تھیں۔ مالا بی بی کی خالہ۔وہ بیمار تھیں۔محتاج تھیں۔بڑی باجی نے ان کی بڑی خدمت کی۔میری امی کے ہاتھوں میں ہی وہ فوت ہوئیں۔''

''بڑی باجی کے سارے بچوں کی شادی ہوگئی ہے؟''

''نہیں۔صرف ماہی باجی کی ہوئی ہے۔وہ کنیڈا ہوتی ہیں۔''سلیم کینیڈا کو کنیڈا کہتا تھا۔

''اچھا۔مالا بی بی کی منگنی بھی نہیں ہوئی؟''اسے تعجب ہوا۔''وہ سب سے بڑی ہیں نا۔''

''ان کو شادی کا شوق نہیں ہے جی۔وہ بس اپنا کام کرتی رہتی ہیں۔''سلیم کو اس کے علاوہ کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔کیف کی ٹائپ کرتی انگلیاں رک گئیں۔وہ سوچتی نظروں سے اسکرین کو دیکھنے لگا۔

یہ ممکن نہیں تھا۔اس کا خیال تھا اس کی کوئی منگنی وغیرہ تو ہو چکی ہوگی۔شاید ہو کے ختم ہوگئی ہو۔لیکن ایسا نہیں تھا۔یا شاید کچھ اور تھا جو اسے چبھ رہا تھا۔

چند دن پہلے تک کشمالہ مبین اس کا ایک ٹارگٹ تھی جس کے پاس اسے نوکری کرنی تھی۔وہ اکیلی تھی۔کام' ریستوران' گھر۔لیکن آج اس نے کچھ اور دیکھا تھا۔وہ اب صرف ایک ٹارگٹ نہیں تھی۔اس کی ایک فیملی۔وہ اکیلی نہیں تھی۔

لاہور آنا پلان کا حصہ نہیں تھا۔ شاید یہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات تک وہ گھر سے نہیں نکلی۔ بس کمرے میں پڑی سوتی رہی۔ کیف سے اس کی ملاقات بھی نہیں ہوئی۔ وہ اسے گویا یہاں لا کے بھول ہی گئی تھی۔ ڈرائیورز گھر کے اندر نہیں آیا کرتے تھے۔ ان کا داخلہ صرف ڈرٹی کچن تک محدود تھا۔

ان کے لاؤنج سے ملحقہ بڑا سا کچن کلین کچن کہلاتا تھا۔ کلین کچن سے ایک دروازہ چھوٹے سے ڈرٹی کچن میں کھلتا تھا۔ اور ڈرٹی کچن سے ایک دروازہ باہر کی طرف۔ تاکہ ملازم یعنی سلیم باہر سے ہی ڈرٹی کچن میں آئے اور اپنا ناشتہ چائے وغیرہ بنا کے وہیں سے رخصت ہو جائے۔ ماں کو مرد ملازموں کا گھر کے اندر آنا پسند نہیں تھا۔ کھانا البتہ سب کا ماں خود بناتی تھیں۔ وہ کسی اور کے ہاتھ کا کھانا نہیں کھا سکتی تھیں۔ بلکہ اکثر اپنے ملازموں کی فرمائش پہ کھانے اور میٹھے بنایا کرتی تھیں۔

ماہی کہتی تھی ماں نے ان کو ملازم نہیں رکھا۔ انہوں نے ماں کو مالک رکھا ہوا ہے۔

بخت بی اور سلیم کا کمرہ بیسمنٹ میں تھا۔ بیسمنٹ کی سیڑھیاں گھر کے باہر سے تھیں تاکہ ملازموں سے پرائیویسی رہے۔ انہوں نے کیف کو بھی بیسمنٹ میں ایک کمرہ دے دیا تھا جسے اس نے چپ چاپ قبول کر لیا۔

صبح فجر پہ اس کی آنکھ لاؤنج میں ہوتی کھٹ پٹ پہ کھلی۔ اسے معلوم تھا یہ ماں ہوں گی۔ ماں فجر خوب شور کے پڑھا کرتی تھیں تاکہ ان کے بچوں کی نیند ایسے خراب ہو کے وہ دوبارہ سو نہ سکیں۔ اسلام آباد میں نمازیں اوپر ہو جایا کرتی تھیں لیکن لاہور میں مجال تھی کہ ایسا ہو۔ وہ نماز پڑھ کے جائے نماز پہ بیٹھی اور سوچا کہ کیا دعا مانگے۔ اسے اس وقت سب سے زیادہ کیا چاہیے تھا؟

نیا بزنس۔ وہ دوبارہ سے برسرِ روزگار ہو جائے۔ اپنے پیروں پہ کھڑی ہو جائے۔ اور اب سے کوئی مرد اسے ظہیر کی طرح دھوکہ نہ دے سکے۔

دعا مانگ کے وہ اٹھی اور جمائی لیتے ہوئے کھڑکی کے سامنے آئی تو رک گئی۔

اندھیر لان میں گارڈ روم کے سامنے وہ گھاس پہ جائے نماز ڈالے دوزانو بیٹھا تھا۔ وہ شاید نماز پڑھ چکا تھا۔ اب

بس یونہی سر جھکائے بیٹھا تسبیح کے دانے گرا رہا تھا۔

اسے بہت عجیب لگا۔ مانا کہ بہت سے لڑکے لاپرواہ اور مغربی حلیے کے باوجود نمازیں پڑھتے ہیں۔ لیکن تسبیح؟ اسے نہیں یاد اس نے کبھی کسی نوجوان کو ہاتھ میں تسبیح پکڑے دیکھا ہو۔ وہ خود بھی تسبیحوں کی عادی نہیں تھی۔ وقت ہی نہیں ملتا تھا۔

کیف جمال تسبیح پڑھتا تھا؟ عجیب بات تھی۔

صبح بخت بی جب اس کے کمرے میں کافی لائیں تو اسے حیرت ہوئی۔

''آپ کو کب سے کافی بنانی آ گئی؟''

''اس موئے ڈرائیور نے بنائی ہے۔ میں نے اسے چائے کی چیزیں پکڑائیں تو بابو آگے سے بولا' میں چائے نہیں پیتا۔ مجھے کافی میکر دو۔ (اس کی نقل کر کے بولیں) پھر خود ہی کچن سے معید بھائی کا پرانا کافی میکر ڈھونڈ لایا اور سیٹ کر دیا۔ بازار سے موٹے بیجوں والے ڈبے بھی لے آیا۔ اور ساتھ یہ مجھے پکڑا دی کہ میری بی بی یہی پیتی ہیں۔ ہونہہ۔''

وہ ہنس دی۔ مبین منزل کو پہلی دفعہ ایسا رنگ برنگا ملازم ملا تھا۔ بخت بی سے ہضم نہیں ہو رہا تھا۔

''چھوٹی باجی... اس لڑکے کو ذرا فاصلے پہ رکھیو۔ مجھے یہ وارداتیا لگتا ہے۔''

''اچھا بخت بی۔ اب جائیں اور کیف سے کہیں تیار رہے۔ اس نے مجھے سیلون لے کر جانا ہے۔''

شام میں عزہ کے نکاح کا فنکشن تھا۔ اور صد شکر اس کے چہرے پہ ایک بھی پمپل نہیں تھا ورنہ عموماً کسی فنکشن سے پہلے ہی یہ پمپل حاضری دیا کرتے تھے۔ اس نے گھڑی دیکھی۔ ابھی فیشل کروا لے تو شام تک اس کا اثر آنے لگے گا۔

وہ باہر آئی تو کیف گارڈ روم کے باہر کرسی پہ بیٹھا تھا۔ ہاتھ میں اسکیچ بک تھی اور وہ پنسل سے اس پہ کچھ کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کے کھڑا ہو گیا۔ اسکیچ بک پیچھے کر لی۔ آج جینز پہ سفید ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ پیروں میں جوگرز تھے اور چہرے کی ہلکی بڑھی شیو ویسی ہی تھی۔

''کیا کر رہے ہو؟'' وہ اس کی اسکیچ بک کو دیکھتے ہوئے قریب چلی آئی۔ پرس کہنی پہ ٹانگے' بال کیچر میں باندھے وہ آنکھوں پہ سیاہ چشمہ لگائے ہوئے تھی۔ کیف کے چہرے پہ جھینپ جانے کا تاثر ابھرا۔ رخسار ہلکے سے گلابی ہوئے یا شاید دھوپ کے باعث اسے ایسا لگا تھا۔

''یونہی فارغ وقت میں اسکیچز بناتا ہوں۔''

''کیا بنا رہے ہو؟ دکھاؤ۔'' وہ دوستانہ لہجے میں کہتی اس کے عین سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اب وہ دونوں دھوپ میں تھے۔ چھاؤں پیچھے رہ گئی تھی۔

کیف نے اسکیچ بک کھول کے اس کے سامنے کی۔ صفحے پلٹائے۔ اس پہ موٹر بائیک کا سیاہ سفید اسکیچ بنا تھا۔

''تمہیں موٹر بائیکس پسند ہیں؟''

''بہت زیادہ۔'' وہ تھوڑا شرمندہ نظر آ رہا تھا۔ مالا نے غور سے اسکیچ کو دیکھا۔

''یہ ہیوی بائیک ہے۔ کافی مہنگی ہوتی ہے۔ اگر تم اپنا نیا بزنس اس لیے شروع کرنا چاہتے ہو کہ ایک دن تم یہ بائیک خرید سکو تو یہ ایک غلط اپروچ ہے۔'' نرمی سے تنبیہہ کی۔ اسے سمجھ میں آ گیا تھا کہ وہ نوجوان قرضوں کا شکار کیوں تھا۔ مہنگی بائیکس کا شوق۔ مہنگا لیپ ٹاپ۔ قیمتی فوٹوگرافی آلات امپورٹ کروانا۔ وہ اپنی بساط سے اونچی جست لگانا چاہتا تھا اور ایسے میں زمین اس کے قدموں تلے سے نکل جاتی تھی۔

کیف نے جواب نہیں دیا۔ کار کی طرف بڑھ گیا۔ جیسے وہ اس کی بات سے اتفاق نہیں کرتا تھا۔

وہ خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا جب صفورا کی کال آنے لگی۔

''کیف کیسا کام کر رہا ہے؟ تم اس سے مطمئن ہو نا؟'' مالا کا فون کار سے کنیکٹڈ تھا۔ آواز خود بخود اسپیکرز پہ گونجنے لگی۔

''ہاں۔ کیف اچھا کام کر رہا ہے۔ کافی اسمارٹ اور سمجھدار ہے۔ ساتھ ہی اپنے نئے بزنس پلان کو بھی وقت دیتا ہے۔'' وہ سادگی سے کہتے ہوئے باہر دیکھ رہی تھی۔ وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھی جو کسی کو اس کے سامنے اس لیے نہیں سراہتے کہ وہ سر نہ چڑھ جائے۔ جو سچ ہو اسے کہہ دینا چاہیے۔

''اسمارٹ ہوتا تو اب تک کامیاب ہو چکا ہوتا۔ اس کے لیے اچھا ہے کہ تمہارے پاس ہی جاب کرتا رہے۔ ورنہ اس کا اپنا کام کبھی کامیاب نہیں ہونا۔ اور ہاں۔ بس یہ دھیان کرنا کہ وہ تم سے ایکسٹرا پیسے ویسے نہ لے۔ تھوڑا سا لالچی بھی ہے۔ میرا کزن ہے نا' مجھے اس کا پتہ ہے۔''

صفورا اتنا تیز تیز بولے جا رہی تھی کہ اسے اسپیکر آف کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ بے اختیار کیف کے کندھے کی پشت کو دیکھا۔ وہ خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ (اُف)

''ہے کہاں وہ؟ ذرا بات کرواؤ میری۔'' صفورا اپنے تئیں ایک اچھی دوست ہونے کا ثبوت دے رہی تھی۔

کیف نے ایک ہاتھ ہلا کے نفی کا اشارہ کر دیا۔ کہا کچھ نہیں۔ چونکہ بیک ویو مرر اوپر کی طرف تھا' وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی تھی۔

''ابھی وہ مصروف ہے۔ تم بعد میں اسے خود ہی کال کر لینا۔'' کال بند ہونے کے بعد بھی کار میں ایک عجیب سی ٹینشن پھیل گئی۔

''اس کو معلوم نہیں تھا کہ تم سن رہے ہو۔''

''وہ کچھ غلط نہیں کہہ رہی تھیں۔ کیف جمال ایک لوزر ہے اور رہے گا۔'' اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔ ''جان میکس ویل کہتا تھا' تم پیسے سے نہیں جیت سکتے۔ اس کو کمانے پہ فوکس کرو تو مادیت پرست کہلاؤ گے۔ کمانا چاہو اور نہ کما سکو تو لوزر ہو۔ بہت کما کے خرچ نہ کرو تو کنجوس ہو۔ اگر کما کے خرچ کرتے رہو تو فضول خرچ ہو۔ اگر کمانے کی فکر نہ کرو تو تم unambitious ہو۔ اگر بڑھاپے تک بہت سے پیسے کے مالک ہو تو تم بے وقوف ہو کہ اس پیسے کو قبر میں لے جانا چاہ رہے تھے۔''

''پھر کیا کرنا چاہیے پیسے کے ساتھ؟''

''پیسے سے جیتنے کا بس ایک ہی طریقہ ہے' باس۔ اس کو مٹھی میں نہیں دبا لینا بلکہ ڈھیلی گرفت کے ساتھ اس کو پکڑنا ہے اور پھر کھلے دل سے اس کو قابل قدر چیزوں کو حاصل کرنے پہ صرف کرنا ہے۔'' ذرا توقف سے بولا۔ ''آپ سے ایک درخواست ہے۔ دوبارہ ان کی کال آئے تو مجھ سے بات مت کروائیے گا۔ ان کا میرے اوپر احسان ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ کے سامنے ان کو کچھ ایسا بول دوں جس پہ مجھے بعد میں شرمندگی ہو۔''

ساری بات ہی ختم ہو گئی تھی۔ (کاش وہ اسپیکر آف رکھتی)

سیلون ایک کمرشل بلاک کی دو منزلوں پہ پھیلا تھا۔ تیسری اور چوتھی منزل پہ کوئی جم تھا۔ وہ اترنے لگی تو کیف نے پوچھا کہ کیا وہ اسے اندر دروازے تک چھوڑنے آئے؟ مگر کشمالہ نے منع کر دیا۔ سیلون اس کی کزن کا تھا۔ یونہی اس نوجوان کو ساتھ دیکھ کے باتیں بنتیں۔

اسے وہاں دو گھنٹے لگ گئے۔ جب وہ واپسی پہ لفٹ میں سوار ہوئی تو اندر کوئی اور بھی تھا۔ ایک ہٹا کٹا سا آدمی جو اس کی طرف پہلو کیے کھڑا تھا۔ وہ نظر انداز کر کے اندر آئی اور گراؤنڈ فلور کا بٹن دبایا۔

جو کچھ ہوا ایک لمحے میں ہوا۔ کسی نے اس پہ پیچھے سے حملہ کیا۔ وہ اوندھے منہ نیچے گری۔ سر کے پچھلے حصے میں درد کی شدید لہر اٹھی۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔

''باس...باس..''

کشمالہ نے آنکھیں کھولیں۔ بصارت کے آگے اب بھی دھند تھی۔اس نے پلکیں جھپکائیں۔

وہ لفٹ کے فرش پہ چہرے کے بل گری ہوئی تھی۔اس کے سامنے وہ پنجوں کے بل بیٹھا اسے پکار رہا تھا۔وہ بدقت ہتھیلی کے بل اٹھی۔پھر چونک کے ادھر ادھر دیکھا۔

لفٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔وہ گراؤنڈ فلور تھا۔باوردی گارڈ باہر کی طرف کھڑا تھا۔اور کیف اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

''آپ ٹھیک ہیں؟''وہ فکرمندی سے پوچھ رہا تھا۔اس کا ہاتھ بے اختیار سر کے پچھلے حصے کی طرف گیا۔درد کی ٹیس ابھی تک اٹھ رہی تھی۔

''کیا ہوا مجھے؟''اس نے الجھن سے ادھر ادھر دیکھا۔

''لفٹ نیچے آئی تو آپ اندر بے ہوش تھیں۔گارڈ کو معلوم تھا کہ آپ کس کار سے نکلی تھیں'اس لیے وہ مجھے بلا لایا۔آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟''

''ہاں۔میں ٹھیک ہوں۔چلو۔''وہ تکلیف برداشت کرتے ہوئے اٹھنے لگی۔

''مگر ہوا کیا تھا؟''وہ تشویش سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''چلو نا۔''اس سے پہلے کہ لوگ جمع ہوتے'وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔سر گھوم رہا تھا لیکن وہ بظاہر خود کو سنبھالے قدم اٹھانے لگی۔

''پرس مجھے دیں۔''اس نے نرمی سے اس کے ہاتھ سے پرس لے لیا۔پھر وہ گارڈ کے سامنے رکا۔بٹوے سے پانچ سو کا نوٹ نکال کے اسے تھمایا'اس کا شکریہ ادا کیا اور کشمالہ کے پیچھے چل دیا۔کسی نے گارڈ کو روک کے پوچھا کہ کیا ہوا تھا۔

''وہ ایک باجی سیلون آئی تھیں۔ان کی شاید طبیعت خراب ہوگئی تھی۔میں ان کے شوہر کو پارکنگ سے بلا لایا۔''وہ قصہ بیان کر رہا تھا۔

''سیدھے گھر چلو۔''اس کا سر شدید درد کر رہا تھا۔سیٹ کی پشت سے اسے ٹکا دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

''پہلے مجھے بتائیں ہوا کیا تھا؟''وہ کہتے کہتے چونکا۔''کسی نے کچھ کیا ہے؟میں ابھی دیکھتا ہوں۔''کیف نے تیزی سے سیٹ بیلٹ کھولی اور باہر نکلنے لگا جب مالا نے روکا۔

''واپس بیٹھو کیف۔'' انداز میں تحکم بھی تھا اور تکان بھی۔ ''یہ میری کزن کا سیلون ہے۔ یہاں تماشہ نہیں بنانا۔ خاندان میں باتیں بنتی ہیں۔''

''مجھے بتائیں تو سہی کہ ہوا کیا ہے۔''

وہ اس کی طرف رخ موڑ کے بیٹھا اور سنجیدگی سے پوچھا۔ ماتھے پہ بل تھے۔ آنکھوں میں غصہ بھی تھا۔

اسے جو یاد تھا' بتا دیا۔

''میں نے اس کا چہرہ دیکھا تھا مگر میں اس کو نہیں جانتی۔ اور لفٹ میں سی سی ٹی وی بھی نہیں تھا۔''

''لفٹ کے باہر تو ہوگا۔ مجھے دیکھنے تو دیں۔ میرا کیا فائدہ آپ کو اگر میں یہ چیزیں مینیج نہیں کر سکتا؟'' اسے غصہ آ رہا تھا۔ یہ طے تھا کہ وہ نہ پولیس رپورٹ درج کروائے گی نہ شور ڈالے گی۔

''میں نے کہا نا' یہاں تماشہ نہیں بنانا۔ گھر چلو۔'' وہ تکان سے بولی۔ سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔ اس آدمی نے اسے بہت زور سے مارا تھا۔

''ٹھیک ہے۔ مگر میں واپس آؤں گا۔ اور آپ کا نام لیے بغیر ان کے ریکارڈز ضرور نکلواؤں گا۔ ایسے کیسے کوئی آپ پہ حملہ کر سکتا ہے۔'' وہ ڈرائیو کرتے ہوئے برہمی سے کہہ رہا تھا۔ اس نے پہلی دفعہ کیف کو غصے میں دیکھا تھا۔

''جیسے وہ میرے گھر میں خون پھینکواتا ہے۔ ایسے ہی وہ مجھ پہ حملہ بھی کر سکتا ہے۔''

''اس نے اپنا چہرہ نہیں ڈھانپا ہوا تھا اس لیے میرا نہیں خیال کہ وہ آپ کا تعاقب کار تھا۔ کوئی کرائے کا آدمی ہوگا۔ مگر اس نے ایسا کیوں کیا؟'' وہ سوچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''ایک منٹ اپنا پرس چیک کریں۔ کچھ مسنگ تو نہیں ہے۔''

اس کا ذہن ابھی تک شل تھا۔ وہ جو اتنے عرصے سے صرف ایک وہم لگتا تھا' وہ آج حقیقت بن کے سامنے آ گیا تھا۔ ایسے میں اسے پرس کا خیال ہی نہیں آیا تھا۔

اس نے پرس کھولا اور اندر سے ایک ایک چیز نکال کے دیکھنے لگی۔ موبائل۔ بینک کارڈز۔ کیش۔ سب ویسا ہی تھا۔

البتہ ایک چیز وہاں ایسی بھی تھی جو اس کی نہیں تھی۔

''اس نے میرے بیگ میں کچھ رکھا ہے۔'' وہ تعجب سے بولی تو کیف نے بیک ویو مرر کا رخ ٹھیک کیا اور اس کے عکس میں مالا کو دیکھا۔ وہ ایک سلور رنگ کا لائٹر الٹ پلٹ کے دیکھ رہی تھی۔

''کوئی میرے بیگ میں سگریٹ لائٹر کیوں رکھے گا؟''

''مجھے دکھائیں۔ کوئی ریکارڈنگ ڈیوائس بھی ہو سکتی ہے۔''

لیکن وہ نہیں سن رہی تھی۔ وہ لائٹر کی نچلی سائیڈ کو اوپر اٹھائے کچھ دیکھ رہی تھی۔

''وہ مجھے اپنا نام بتانا چاہتا ہے۔'' وہ تلخی سے مسکرائی۔ ''لائٹر پہ اس کا نام لکھا ہے۔''

''واقعی؟'' کیف کو حیرت ہوئی۔ موڑ کاٹتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا لکھا ہے؟''

کشمالہ نے لائٹر پہ لکھے دو الفاظ پڑھے۔

''ماہر فرید۔''

اس نے ایک جھٹکے سے بریک لگائی۔ کار کے ٹائر چرچرائے۔

''آرام سے کیف۔''

لیکن وہ تیزی سے پیچھے گھوما اور لائٹر اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ پھر اسے اونچا اٹھا کے دیکھا۔

اس پہ واقعی انگریزی میں لیزر انگریونگ سے ماہر فرید لکھا تھا۔

کیف کا حلق خشک ہونے لگا۔ (ناممکن)

''بالآخر مجھے میرے تعاقب کار کا نام معلوم ہو گیا ہے۔''

کیف نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔ اس کا چہرہ گلابی سا ہو رہا تھا۔ سبز آنکھوں میں الجھن تھی۔ ناسمجھی تھی۔

اس نے بہت سا تھوک خشک گلے سے نیچے اتارا۔

''آپ کسی ماہر فرید کو جانتی ہیں؟'' لہجہ سرسری بنایا۔

''نہیں۔'' کشمالہ نے گردن دائیں بائیں ہلائی۔ ''میں نے یہ نام ہی پہلی دفعہ سنا ہے۔''

''میں یہ لائٹر رکھ لوں؟ اس کو چیک کرنا ہوگا۔ اندر کوئی ریکارڈنگ ڈیوائس نہ ہو۔''

کشمالہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ واپس کار اسٹارٹ کرنے لگا البتہ اس کے چہرے کی رنگت اڑی اڑی سی تھی۔

گھر کے پورچ میں جب وہ کار سے نکلی تو وہ دیکھ سکتی تھی کہ وہ پریشان لگ رہا تھا۔

''صفورا تمہارے بارے میں غلط تھی۔ جو لوگ پیسے کے لالچی ہوتے ہیں، وہ گارڈز کو ٹپ نہیں دیتے۔''

وہ چونکا۔ اس حالت میں بھی وہ نوٹ کر گئی تھی۔ وہ پھیکا سا مسکرایا۔ ''آپ نے پیٹرول کے جو پیسے دیے تھے اس

میں سے دیا تھا۔"

اس کے جانے کے بعد کیف کے تاثرات بدلے۔ چہرے پہ برہمی در آئی۔ اس نے فون نکالا اور وائٹ ہیئر کی چیٹ کھولی۔

"تم میرے ساتھ کوئی ڈبل گیم کھیل رہے ہو؟ یہ حرکت تمہاری یا تمہارے آدمیوں کی ہے نا؟" انگلیاں تیزی سے ٹائپ کر رہی تھیں۔ وہ شدید بے بسی محسوس کر رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس شام مبین منزل میں گہما گہمی کا عالم تھا۔ سب شادی میں جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ معید کسی باتھ روم سے چلاتا اپنے کپڑے مانگ رہا تھا۔ ماں خود تخت پہ بیٹھی تھیں۔ بالوں میں صبح ہی ہیئر ڈائی لگایا تھا۔ سو اب وہ سفید نہیں گہرے بھورے لگ رہے تھے۔ گرے رنگ کا کامدار جوڑا پہنے وہ کلائیوں میں سونے کے کنگن پہن رہی تھیں۔ لمبے بال کھلے تھے۔ بخت بی ان میں کنگھی پھیر رہی تھی۔

سامنے گاؤ تکیے پہ ان کا موبائل کھڑا رکھا تھا جس پہ ماہی نظر آ رہی تھی۔ وہ کچن کاؤنٹر کے پیچھے کھڑی تھی۔ ایپرن پہنے، چھوٹے بالوں کی پونی بنائے وہ پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے تفتیشی نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"ائیر رنگز دکھائیں مجھے۔" کینیڈا سے حکم آیا۔

ماں نے چہرہ ترچھا کر کے ایک کان دکھایا۔ ماہی نے ماتھے کو چھوا۔

"اُف ماں۔ یہ کیا انیس سو دس والے کانٹے پہن لیے ہیں۔ وہ گرے اسٹونز والے ٹاپس کہاں ہیں جو میں لبرٹی سے لائی تھی۔"

"کہاں رکھے ہیں؟" ماں سر جھکائے اپنے جیولری باکس میں سے ڈھونڈنے لگیں۔ ماہی کا حکم وہ نہیں ٹالا کرتی تھیں۔

"جیولری باکس کا سب سے نچلا خانہ دیکھیں۔" ماہی کو یاد تھا۔ اسے ماں کی ہر چیز یاد رہتی تھی۔

ٹاپس وہیں تھے۔ ماں نے انہیں نکال کے اونچا کیا۔ وہ واقعی بہت حسین تھے۔ سونے کے کانٹے اتار کے انہیں کانوں میں پہنا تو چہرے کا وقار مزید بڑھ گیا۔

"اچھا بتاؤ شال کون سی لوں؟" وہ اپنی سمجھدار بیٹی سے پوچھ رہی تھیں۔

"مالا سے کہیں وائٹ والی شال نکال دے جس کا گرے بارڈر ہے۔" ماں نے مڑ کے دیکھا۔ مالا لاؤنج کی

ایک کرسی پہ بیٹھی موبائل پہ لگی تھی۔ کھوئی کھوئی سی۔ جب سے وہ سیلون سے آئی تھی وہیں بیٹھی تھی۔

''مالا ... بیٹے وہ وائٹ شال تو نکال دو۔ اور تم کب تیار ہو گی؟'' پھر غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ ''تمہیں کیا ہوا ہے؟''

''کچھ نہیں۔ سر میں درد ہے۔ میں شال نکالتی ہوں۔'' وہ وہاں سے اٹھ گئی۔ اس نے کمرے میں پہلے سے وہی سفید شال نکال رکھی تھی لیکن ماں کو دی نہیں تھی۔ ماں اسے تب پہنیں گی جب ماہی کہے گی۔ ماں کو صرف ماہی کی چوائس پہ اعتبار تھا۔

ماہی یہاں ہوتی تھی تو فنکشنز وغیرہ پہ ماں کو خود تیار کرتی۔ جب سے وہ کینیڈا گئی تھی' ویڈیو کال پہ یہی کام کرواتی۔ ماں کے کپڑے حتیٰ کہ مالا کے بھی اکثر کپڑے ماہی لیا کرتی تھی۔ اس کو شوق تھا دکانداروں سے لڑ لڑ کے قیمتیں کم کروانے کا۔ یہ ٹاپس بھی اس نے مالا کے ساتھ ہی لیے تھے۔ مالا کہتی رہی کہ اب چھوڑ دو۔ وہ پندرہ سو سے کم میں نہیں دے گا۔ لیکن ماہی بھی ڈٹی رہی۔ نہیں۔ یہ مجھے آٹھ سو میں دے گا۔ دیکھ لینا۔ اور پندرہ منٹ بعد ماہی وہ ٹاپس آٹھ سو میں لے کر ہی ہٹی تھی۔

شال ماں کو دینے آئی تو ماہی ویڈیو کال پہ کہہ رہی تھی۔

''فنکشن کی ساری تصویریں فوراً سے مجھے بھیجنی ہیں آپ نے' ماں۔ آپ کے باقی دونوں بچے ہر فنکشن میں مجھے بھول جاتے ہیں۔ ہائے کاش میں پاکستان میں ہوتی۔''

''اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں ہر حال میں' ماہی۔'' ماں نے ٹوکا۔ ''شکر کرو اللہ نے تمہیں شادی کے پانچ سال بعد خوشی دکھائی ہے۔ بس خوب کھاؤ پیو اور اپنا خیال رکھو۔ شادیاں تو ہوتی رہتی ہیں۔''

''ہاں چھوٹی بی بی۔'' بخت بی بی ماں کے کندھے کے پیچھے سے کال میں شامل ہوئی۔ وہ کینیڈا کی کال پہ اتنا اونچا بولتی تھی کہ جیسے آواز ہوا کے دوش پہ کینیڈا جاتی ہے۔ ''تیری ماں نے بڑی دعائیں کی ہیں تیری گود ہری ہونے کے لیے۔ ہر وقت کہتی تھی اللہ میری ماہی کو بچہ دے۔ تو بس اپنا خیال رکھ۔''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ عباد کی نوکری نہ ہوتی تو میں کبھی کینیڈا نہ رہتی۔ بورنگ ٹھنڈا ملک۔'' ماہی روہانسی ہو کے بولی۔ پھر کچھ یاد آیا۔ ''شادی پہ کبیرہ تائی بھی ہوں گی نا۔''

ماں کے چہرے پہ ناپسندیدگی ابھری۔ سر جھکا کے تخت پہ بکھری اپنی چیزیں سمیٹنے لگیں۔ ''پرے کرو اس کو۔ ہمیں کیا۔''

''دیکھنا آپ۔ وہ شادی پہ آئیں گی اور سارے رشتے دار آپ کو جلانے کے لیے ان کے پاس جا کے خوب ہنسیں بولیں گے۔ دیکھنا۔''

معید تیار ہو کے آ گیا تھا اور اب صوفے پہ بیٹھ کے جوتے پہن رہا تھا۔ منہ میں بڑبڑایا۔

''لاہور اور اس کے مضافات میں غیبتوں کا وقت ہوا چاہتا ہے۔''

ماہی اس بات کا کرارا سا جواب دیتی لیکن اسے کچھ نظر آیا تھا۔ اسکرین پہ چہرہ قریب کیا اور تفتیشی انداز میں سوال کیا۔

''یہ باہر لان میں کون ہے؟'' ماہی کی تیز نظریں ماں کے پیچھے کھڑکی پہ جمی تھیں۔

ماں نے ایک نظر کھڑکی کو دیکھا جہاں لان میں موبائل پہ لگا کیف ٹہلتا نظر آ رہا تھا۔

''اپنی بہن سے پوچھو۔ وہی ساتھ لائی ہے۔''

ماں نے مالا کو فون پکڑا دیا اور خود گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کے اٹھیں۔ ان کا رخ کمرے کی جانب تھا۔ ابھی انہوں نے جوتے پہننے تھے۔

''میرا ڈرائیور ہے۔ اور اسسٹنٹ بھی۔'' مالا نے فون تھام لیا۔ ماہی بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

''ذرا قریب سے دکھاؤ اس کی شکل۔'' ماہی کی آنکھوں میں شرارت ابھری۔ اپنے سامنے لاؤنج میں کام کرتے ہوئے عباد کو دیکھ کے اونچا سا بولی۔ ''بڑا عرصہ ہو گیا کوئی ہینڈسم آدمی نہیں دیکھا۔''

عباد پہ اثر نہیں ہوا۔ لیپ ٹاپ سے نظریں ہٹائے بغیر بولا۔ ''آئینہ دیکھ لو۔ خود بھی تم کسی مرد سے کم نہیں لگ رہیں۔''

ماہی کی ہنسی غائب ہوئی۔ چہرہ سرخ ہوا۔

''سنو۔ تم لوگ شادی اٹینڈ کرو۔ میں ذرا آتی ہوں۔'' اس نے فون بند کر دیا۔

برٹش کولمبیا میں اب جنگ عظیم چھڑنے والی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نکاح کا وینیو سفید اور سبز رنگ میں سجا تھا۔ اونچی چھت سے جگہ جگہ فانوس لٹک رہے تھے۔ اسٹیج بھی سفید پھولوں اور سبز پتوں سے مزین تھا اور مہمانوں کی میزوں کے گرد رکھے صوفے بھی سفید تھے۔

وہ ماں کے ساتھ ایک تھری سیٹر صوفے پہ بیٹھی تھی۔ ماں چند رشتے دار خواتین سے باتوں میں مصروف

تھیں۔ معید ہم عمر کزنز کی طرف چلا گیا تھا لیکن وہ خود کو یہاں زیادہ محفوظ تصور کر رہی تھی۔ اگر وہ کزنز میں گئی تو سب کی زبان پہ ایک ہی سوال ہونا تھا۔ اوشن بند کیوں ہو گیا؟ اور کیا اب وہ جاب لیس ہو گئی ہے؟ اور اس وقت وہ اس سوال کا سامنا کر کے موڈ نہیں خراب کرنا چاہتی تھی۔

ویسے بھی اسے ماں پہ نظر رکھنی تھی۔ ان کی شوگر کنٹرول میں نہیں تھی۔ اور شادیوں پہ تو وہ کچھ زیادہ ہی دل کھول کے کھاتی تھیں۔ معید ان کی شوگر کا اتنا دھیان نہیں رکھتا تھا کہ وہ گھر ہی کب ہوتا تھا۔ لیکن آج وہ دیکھے گی کہ ماں کیسے میٹھا کھاتی ہیں۔

ماں ٹیک لگائے بیٹھی تھیں۔ شال ایک کندھے پہ تھی۔ شفون کا گرے ڈوپٹہ سر پہ تھا۔ وہ ہلکے کاجل اور لپ اسٹک کے ساتھ بہت باوقار لگ رہی تھیں۔ کسی کو اپنے گھٹنوں کے درد کا بتا رہی تھیں اور رشتے دار خاتون ان کو کوئی دیسی ٹوٹکا بتا رہی تھیں جو ان کے میاں نے فیس بک پہ پڑھا تھا۔

واقعی۔ حورِ جہاں جیسی خوبصورتی اسے، ماہی یا معید کو نہیں ملی تھی۔ ''ناٹ فیئر' اللہ تعالیٰ۔'' آسمان کو شاکی نظروں سے دیکھا۔

''حورے بھابھی... آپ گھٹنوں کا آپریشن کروا ہی لیں۔ میں نے خود کروایا ہے۔ سمجھو نئی زندگی مل گئی ہے۔'' خاتون نے مشورہ دیا۔ ماں کا نام حورِ جہاں تھا۔ حور کے نیچے زیر تھی۔ (اسے حورے جہاں پڑھتے تھے) اسی لیے بہت سے رشتے دار ان کو اب بھی حورے کہتے تھے۔

''نہ بابا نہ۔ میں نے نہیں آپریشن کروانا۔'' ماں نے ناک سے مکھی اڑائی۔ ''انسان کبھی پیچھے کو نہیں پلٹتا ہوتا۔ اب جیسے ہیں گھٹنے ویسے ٹھیک ہیں۔''

''ماں۔'' اس نے ماں کے قریب سرگوشی کی۔ ''آپ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے نا کہ آپ میٹھا نہیں کھائیں گی۔ آج صبح آپ کی فاسٹنگ شوگر ایک سو چالیس تھی۔'' نرمی سے تنبیہہ کی۔

ماں دوسری جانب جھک کے ان خاتون سے کسی بہت اہم موضوع پہ بات کرنے لگیں۔ یوں ظاہر کیا جیسے مالا کی بات سنی ہی نہ ہو۔

دفعتاً ساتھ بیٹھی ممانی کسی کو دیکھ کے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ کشمالہ نے نظریں اوپر اٹھائیں۔

سامنے نگینہ آنٹی کھڑی تھیں۔ وہ جو اس روز اسلام آباد میں اپنے بیٹے کے ساتھ ماموں کے پورشن میں آئی تھیں۔ انہوں نے سفید سلک کا ڈریس پہن رکھا تھا۔ سر پہ دوپٹہ تھا۔ وہ مسکرا کے پہلے ممانی سے ملیں۔ پھر ماں

سے۔ ماں ان کو دیکھ کے خوش ہوئیں۔ اپنے پاس صوفے پہ جگہ دی۔

''تم کب آئیں دبئی سے؟''

''زیاد اور میں پچھلے ہفتے آئے ہیں۔ اتنے عرصے بعد کسی خاندان کی شادی میں شرکت کر رہے ہیں۔ یہ کون سی والی بیٹی ہے تمہاری ماشاءاللہ سے؟'' انہوں نے مسکرا کے مالا کی طرف دیکھا تو وہ بھی مسکرا دی۔

''میں کشمالہ ہوں۔ مجھ سے چھوٹی ماہی کینیڈا ہوتی ہے۔''

''ارے ہاں۔ تم تو اسلام آباد ہوتی ہونا۔ ہم تمہارے ماموں کی طرف گئے تھے اس دن۔'' نگینہ آنٹی نے ممانی کو دیکھ کے کہا۔ ''پتہ چلا تم سو رہی ہو۔ ورنہ ضرور ملاقات ہوتی۔''

''جی مجھے پتہ چلا تھا۔'' وہ مسکرا کے بولی۔

''زیاد کیسا ہے؟ کیا کر رہا ہے آج کل؟'' ماں رسماً نگینہ بیگم سے پوچھنے لگیں۔

''زیاد رائٹر ہے۔ کتابیں لکھتا ہے۔ ساتھ ایک ڈیجیٹل مارکیٹنگ فرم میں بہت اچھی جاب بھی کر رہا ہے۔ مگر بڑے عرصے سے کچھ لکھا نہیں۔'' کہتے ہوئے نگینہ آنٹی کی آواز میں اداسی گھل گئی۔

مالا کی متلاشی نظریں سارے میں گھومیں۔ اور پھر وہ اسے نظر آ ہی گیا۔ وہ کچھ مردوں کے ایک گروپ کے ساتھ کھڑا تھا۔ ٹال' ڈارک اینڈ ہینڈسم۔ سیاہ بالوں کو جیل سے پیچھے کیے' وہ دوسرے کزنز کی طرح کرتے شلوار میں ملبوس تھا۔

اس وقت وہ سنجیدگی سے کسی کی بات کا جواب دے رہا تھا۔ دن کی روشنی میں زیادہ جاذب نظر تھا۔

''اس کی منگنی کی تھی تم نے کچھ عرصہ پہلے۔ کوئی مسئلہ ہوا تھا پھر۔'' ماں کو یاد آیا۔

بظاہر دوسری طرف دیکھتی کشمالہ کے کان کھڑے ہو گئے۔

''بس بھابھی۔ کیا بتاؤں۔ اس کی منگیتر کی ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ ہو گئی تھی۔ وہ زیاد کی اپنی پسند تھی۔ اس نے دل پہ بہت بوجھ لے لیا ہے۔ ڈیڑھ سال ہو گیا ہے اس بات کو۔ اب میرا بیٹا شادی کا نام ہی نہیں لیتا۔'' نگینہ بیگم دور نظر آتے اپنے بیٹے کو دیکھ کے اداسی سے بولیں۔ ماں بھی افسوس سے خاموش ہو گئیں۔

''حورے بھابھی۔ آپ اتنی نیک ہیں۔'' انہوں نے ماں کے گھٹنے پہ ہاتھ رکھا۔ ''آپ میرے زیاد کے لیے دعا کیا کریں کہ وہ اس ٹراما سے نکل آئے اور نئی زندگی شروع کرے۔''

''کیوں نہیں نگینہ۔ میں ضرور دعا کروں گی۔'' ماں نے خلوصِ دل سے کہا۔

ایک بلند آواز کانوں میں پڑی تو کشمالہ نے چونک کے نظریں گھمائیں۔ سبزہ زار کی انٹرنس پہ ایک اونچا نسوانی قہقہہ گونجا تھا۔ یہ اس بات کا غماز تھا کہ کبیرہ بیگم پہنچ چکی تھیں۔

یہ طے تھا کہ وہ ہر فنکشن پہ جان بوجھ کے دیر سے آتی تھیں تا کہ ہر نظر ان کی طرف اٹھے۔ اور واقعی وہ اتنی خوبصورت تھیں کہ ایسا ہی ہوتا تھا۔

آج بھی وہ انٹرنس پہ چند خواتین کے جھمگٹھے میں کھڑی اونچے قہقہے لگاتے ہوئے سب کی توجہ گھیر رہی تھیں۔ نیلے رنگ کی سلیولیس ساڑھی میں ملبوس تھیں۔ کانوں اور گردن میں چمکتے ہوئے ڈائمنڈز پہن رکھے تھے۔ بال بوائے کٹ میں کٹے تھے۔ (اگر لمبے رکھتیں تو زیادہ خوبصورت لگتیں لیکن وہ جانتی تھی کہ تائی بال چھوٹے کیوں رکھتی ہیں۔ اس کی بھی ایک مضحکہ خیز سی وجہ تھی)

اب وہ چلتی ہوئی باری باری مہمانوں سے ملتی جا رہی تھیں۔ اپنی طرف بڑھتے ہاتھوں کو غرور سے ذرا سا ملا کے چھوڑ دیتیں۔

ممانی ان رشتے داروں میں سے تھیں جن کی کبیرہ تائی سے بہت بنتی تھی۔ وہ ان کو دیکھ کے اٹھ کھڑی ہوئیں اور نگینہ سے بولیں۔ ''آپ نے نہیں ملنا کبیرہ سے؟''

''نہیں تابندہ۔ میرا کبیرہ سے کوئی رشتہ نہیں۔ البتہ میرا حورِ جہاں بھابھی سے رشتہ ہے۔ اگر کبیرہ حورِ جہاں بھابھی سے ملنے خود نہیں آ سکتی تو میں کیوں جا کے اس سے ملوں۔'' پھر چہرہ موڑ کے ماں کو دیکھا۔ ''ہاں تو آپ کہہ رہی تھیں...''

سادہ۔ دوٹوک انداز۔ ممانی پہ تو گھڑوں پانی پڑ گیا۔ کشمالہ اندر ہی اندر مسکرا دی۔ کوئی تو رشتے دار تھا جو ماں کا ساتھ دے رہا تھا۔ ورنہ سب کبیرہ کی دولت کی چمک دمک سے اتنے متاثر تھے کہ اس کے گرد مکھیوں کی طرح بھنبھناتے تھے۔

ماہی کے میسجز آ رہے تھے۔ تصویریں بھیجو۔ اس کے فون کی بیٹری کم تھی اور وہ بیٹری پیک کار میں بھول آئی تھی۔ اس نے کیف کو کال کی اور اسے بیٹری پیک لانے کو کہا۔

کیف جب سفید پھولوں سے سجے وسیع ہال میں آیا تو وہ اسے سامنے ہی نظر آ گئی۔ صوفوں پہ خواتین کے ایک گروپ میں بیٹھی، وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بس مسکراتے ہوئے سب کی باتیں سن رہی تھی۔ اس نے آف وائٹ کامدار ڈریس پہن رکھا تھا۔ بال چہرے کے ایک طرف ڈالے ہوئے تھے۔ کانوں میں بڑے بڑے سلور جھمکے نظر آ

رہے تھے۔

اس کا چہرہ سادہ تھا۔ جلد اعتبار کرنے والا۔ آنکھیں ذہین تھیں لیکن چالاک نہ تھیں۔ ایسی آنکھیں جو مہربان ہوتی ہیں۔ شک نہیں کرتیں۔ انتقام نہیں لیتیں۔ وہ لوگوں کی اچھائی پہ نظر رکھتی ہیں۔

اور وہ ایسی لڑکی کو دھوکہ دے رہا تھا۔ کیف کے چہرے پہ کرب ابھرا۔ اس کا دل برا ہونے لگا۔

ایک لمحے کے لیے اس کا دل چاہا کہ وہ اسے ایک کونے میں لے جائے۔ اور اس کو بتائے کہ اس سے بڑی غلطی ہوگئی تھی۔ وہ جھوٹ اور دھوکے کے ساتھ مالا کی زندگی میں شامل ہوا تھا۔ اب بھی وقت تھا۔ وہ سب کچھ کلیئر کر سکتا تھا۔ اس سے معافی مانگ سکتا تھا۔ وہ اس مہربان لڑکی کو بتانا چاہتا تھا کہ کسی کے پاس اس کی تصویر ہے اور وہ اسے نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ اور وہ کوئی عام شخص نہیں ہے۔ وہ ایک سائیکو پیتھ ہے۔ کوئی عام شخص ایسی البم نہیں بناتا۔

مالا نے اسے دیکھ لیا تھا۔ وہ صوفے سے اٹھ کے اس کی طرف آ گئی۔ کیف نے بیٹری پیک اس کی طرف بڑھا دیا۔ بولا کچھ نہیں۔ وہ یہ سب اسے نہیں بتا سکتا تھا۔ اس کی اپنی مجبوریاں تھیں۔

سچ بولنا جھوٹ بولنے سے زیادہ تکلیف دہ تھا۔

''تھینک یو کیف۔'' وہ بیٹری پیک پکڑتے ہوئے مسکرائی۔ وہ دونوں ایک پھولدار ستون کے ساتھ آمنے سامنے کھڑے تھے۔

''میں سیلون گیا تھا۔ میں نے آپ کا نام نہیں لیا۔ جم کے کیمرے کا رزلٹ بہت مدھم تھا۔ آپ کے بتائے حلیے کا شخص لفٹ میں سوار ہوا تھا اور واپس جم میں ہی اتر گیا تھا۔ لیکن اس کی شکل واضح نہیں ہے۔ میں نے فوٹیج آپ کو ای میل کی ہے۔''

''کیا فائدہ؟ میں اس کو نہیں پہچانتی تھی۔''

''آر یو شیور آپ کسی ماہر فرید کو نہیں جانتیں؟'' اس نے لہجے کو سرسری سا بنایا۔ کشمالہ نے کندھے اچکا دیے۔

''جو آج ہوا ہے وہ اچھا نہیں ہوا۔ یہ دوبارہ بھی ہو سکتا ہے۔ پولیس تک آپ نہیں جانا چاہتیں۔ اس لیے آئندہ آپ میرے بغیر کہیں نہیں جائیں گی۔ میں قریب رہوں گا۔'' کیف اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''لیکن مجھے لگ رہا ہے کہ آپ نے مجھے سب کچھ نہیں بتایا۔ آپ پولیس تک کیوں نہیں جانا چاہتیں؟ کچھ ہے جو آپ اپنے تعاقب کار کے بارے میں جانتی ہیں۔'' آواز دھیمی کی۔ ''دیکھیں۔ میں آپ کا باڈی گارڈ ہوں۔ آپ کو مجھ پہ اعتبار کرنا ہوگا۔ اگر آپ کچھ بھی اور جانتی ہیں تو مجھے بتا دیں۔ کچھ بھی ایسا جو ابھی تک آپ نے مجھے نہیں بتایا۔''

وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ پھر ایک قدم آگے ہوئی۔ فنکشن کے شور اور ہنگامے میں ان کی آواز دور نہیں جا سکتی تھی۔ کشمالہ نے آواز سرگوشی میں بدل دی۔

''میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ ایک آدمی کے پاس میری ایک تصویر ہے۔ اس تصویر کی بیک پہ لکھا ہے حورِ جہاں کی بیٹی کشمالہ۔ اور وہ آدمی مجھے نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔'' کشمالہ سرگوشی کر کے پیچھے ہو گئی۔

اور کیف کے لیے ایک دم ساری دنیا برف ہو گئی۔ وہ جہاں تھا وہیں جم گیا۔ ٹھنڈا اور ساکت۔

''آپ یہ کیسے جانتی ہیں؟ اور کون آدمی ہے وہ؟'' وہ بدقت بول پایا۔

کشمالہ گردن موڑ کے دوسری جانب دیکھنے لگی۔ ''میں اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتی'' وہ واپس صوفوں کی طرف چلی گئی۔

وہ برف کا مجسمہ بنے وہیں کھڑا رہ گیا۔

وہ کس کھیل کا حصہ بن گیا تھا؟ یہاں سب اس سے زیادہ جانتے تھے۔

ماں گھٹنوں کی وجہ سے اٹھ نہیں سکتی تھیں اس لیے وہ کھانا لگنے پہ بفے ٹیبل پہ چلی آئی تا کہ ماں کے لیے کھانا ڈال سکے۔ شادیوں کا مزہ ماہی کے ساتھ آتا تھا۔ تصویریں بنانا' اپنی میز پہ بیٹھ کے لوگوں اور کھانے پہ تبصرے کرنا۔ کس نے کیا پہنا ہے ڈسکس کرنا۔ ماہی کے بغیر سارے فنکشنز بے رونق تھے۔

وہ پلیٹ میں کھانا ڈال رہی تھی جب عقب میں نگینہ آنٹی کی آواز سنائی دی۔ وہ کسی سے کچھ کہتے ہوئے پلیٹ اٹھا رہی تھیں۔ مالا کا سارا وجود کان بن گیا۔ بظاہر وہ سر جھکائے کھانا نکالتی رہی۔ پھر پلٹی تو دیکھا' نگینہ آنٹی کے ساتھ ان کا بیٹا تھا جسے وہ کوئی ہدایت دے رہی تھیں۔ انہوں نے بھی اسی وقت اسے دیکھا۔ اسے دیکھ کے مسکرا دیں۔ پھر جیسے خیال آیا۔

''کشمالہ... تم زیاد سے ملی ہو؟''

اس نے زیاد کو دیکھا اور زیاد نے اس کو۔ یہ وہی تھا۔ بھورے کرتے والا۔ ٹال' ڈارک اینڈ ہینڈسم۔ چہرے پہ سادگی اور مسکراہٹ تھی۔ ایک تو کچھ مردوں کو اتنا اچھا لگنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔

بظاہر رسمی انداز میں مسکرائی۔ ''کیسے ہیں آپ؟ خوشی ہوئی آپ سے مل کے۔''

''مجھے بھی۔'' پھر ماں کو دیکھا۔ ''ہم انہی کے گھر گئے تھے نا؟'' جیسے یاد کروایا۔ وہ آہستہ بولتا تھا۔ نرمی اور شائستگی سے۔

''وہ ان کے ماموں کا گھر تھا۔ لیکن کشمالہ وہیں رہتی ہے۔''

زیاد نے ہوں کہہ کے سر ہلا دیا۔ گفتگو دم توڑ گئی۔ وہاں کھڑا رہنا آکورڈ لگتا تھا۔ وہ ان سے معذرت کر کے ماں کی پلیٹ لیے میز پہ واپس آ گئی۔ کھانا کھل چکا تھا اور سب اس وقت کھانے میں مگن تھے۔ اس نے ماں کے سامنے پلیٹ رکھی۔

انہوں نے ایک اچٹتی نگاہ پلیٹ میں موجود لوازمات پہ ڈالی۔ جیسے دلچسپی نہ ہو۔ پھر چہرہ ادھر ادھر گھمایا۔ کیف ابھی تک وہیں کھڑا تھا۔ ماں نے دور سے اسے اشارہ کیا۔

''لڑکے.... ادھر آؤ۔'' تحکم سے دو انگلیوں سے بلایا۔

کیف فوراً اس طرف آیا۔

''پہلے بتاؤ تم کون ہو؟ میں نے تمہیں کہیں دیکھا ہے۔'' ماں نے سر سے پیر تک اسے گھورا۔ کیف نے بے اختیار مالا کو دیکھا۔ پھر ماں کو۔

''میں کشمالہ بی بی کا ڈرائیور ہوں۔ کیف جمال۔''

''جو بھی ہو.... وہ پیچھے دیکھو ٹیبل پہ سفید رنگ کی کیا چیز رکھی ہے۔''

''وہ سفید رنگ کی چیز ڈیزرٹ ہے ماں۔ اور آپ وہ نہیں کھا سکتیں۔'' وہ دھیمی مگر سخت آواز میں بولی۔

ماں نے اسے گھور کے دیکھا۔ ''میری ماں نہ بنو۔'' پھر انہی خشمگیں نظروں سے کیف کو دیکھا۔ ''جاؤ۔ لے کر آؤ۔''

اس نے فوراً کشمالہ کو دیکھا۔ جس نے نفی میں گردن ہلائی۔ کیف نے ماں کو دیکھا۔ وہ اب کے سختی سے بولیں۔

''آواز نہیں آئی؟ لے کر آؤ۔''

''جی او کے۔'' وہ فوراً سے پلٹ گیا۔ کشمالہ نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔

''ماں آپ کو شوگر ہے یار۔ نہ کریں ایسے۔''

ماں نے تو یوں ظاہر کیا جیسے سنا ہی نہیں ہے۔ کیف نے ڈش سامنے لا کے سرو کی تو انہوں نے جی بھر کے ڈیزرٹ ڈالا۔

''اچھا تھوڑا کم کر دیں۔'' اس نے ہاتھ ان کے پیالے کی طرف بڑھایا تو ماں نے اس کے ہاتھ پہ چمچہ مارا۔

''میں نے کہا نا میری ماں نہ بنو۔ جاؤ یہاں سے۔''

وہ خفگی سے اٹھ گئی۔ پھر کیف کی طرف آئی۔ غصے سے اسے دیکھا۔

''تمہیں کس نے کہا تھا ڈیزرٹ لے آؤ؟''

''میں کیا کرتا؟ آنٹی غصہ کر رہی تھیں۔''

''غصہ ہی کر سکتی ہیں وہ۔ اٹھ کے تو نہیں جا سکتیں نا۔ ان کی فاسٹنگ ایک سو چالیس تھی صبح۔ حد ہے یار۔'' وہ جھنجھلائی ہوئی لگ رہی تھی۔

''باس....'' وہ ہلکا سا کھنکھارا۔ ''آنٹی نے مجھ سے پوچھا کہ میں کون ہوں۔ وہ کل سے مجھ سے تین دفعہ یہی سوال پوچھ چکی ہیں۔''

''ماں کی عادت ہے مذاق کرنے کی۔ اب ان کو کچھ میٹھا نہیں دینا۔ اوکے۔'' وہ تنبیہہ کر کے آگے بڑھ گئی۔ وہ بس اسے جاتے دیکھتا رہا۔

اس کا موڈ ماں کی اس حرکت پہ خراب ہو گیا تھا۔ وہ ایسے ہی بددلی سے سینے پہ بازو لپیٹے بفے ٹیبل کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ اکثریت کھانا ڈال چکی تھی اس لیے یہاں رش کم تھا۔

تبھی قریب میں کوئی کھنکھارا۔ ''آپ کھانا نہیں کھا رہیں۔''

وہ چونکی۔ پھر سنبھلی۔ چہرے کے زاویے درست کیے۔

وہ زیاد تھا۔ ہاتھ میں پلیٹ لیے اس کے قریب آ رہا تھا۔ تشویش سے اسے دیکھا۔ پھر گردن موڑ کے اس میز کو جہاں ماں بیٹھی مزے سے ڈیزرٹ کھا رہی تھیں۔ زیاد ہلکا سا ہنس دیا۔

''اچھا۔ آپ کی بھی اپنی امی سے یہی لڑائی چلتی رہتی ہے۔''

کشمالہ نے افسوس سے ماں کی طرف دیکھا۔ ''میں ان کی گھٹنے کی سرجری کروانا چاہتی ہوں۔ شوگر کنٹرول نہیں ہو گی تو سرجری کیسے ہو گی۔''

''اس کا ایک حل ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔ پھر اپنی پلیٹ اس کی طرف بڑھائی۔ ''دو منٹ یہ پکڑیں۔''

کشمالہ نے ناسمجھی کے انداز میں پلیٹ پکڑی۔ زیاد گھوم کے بفے ٹیبل کے دوسری طرف گیا' ایک پیالہ چمچ اٹھایا اور واپس آیا۔ اب وہ ڈش سے ڈیزرٹ پیالے میں نکال رہا تھا۔ وہ مسکرا دی۔

''اس کا حل یہ ہے کہ آپ پریشان نہ ہوں اور کچھ کھا لیں۔'' وہ پیالہ لے کر مسکراتا ہوا اس کے سامنے آیا۔ اسے پیالہ تھمایا اور اپنی پلیٹ واپس لی۔

''تھینک یو۔ مگر میں میٹھا نہیں کھاتی۔'' اس نے پیالہ رکھا نہیں۔ پکڑے کھڑی رہی۔ لیکن اسے ڈیزرٹ نہیں پسند تھا۔ سو یہ طے تھا کہ وہ نہیں کھائے گی۔

''اچھا؟'' وہ حیران ہوا۔ اپنی پلیٹ سے چاولوں کا چمچ بھرا۔ ''اس دن تو آپ ٹیرس پہ براؤنیز کھا رہی تھیں۔''

(اُف... اس نے اسے دیکھ لیا تھا۔)

''اچھا؟ مجھے یاد نہیں۔'' کندھے بے نیازی سے اچکا دیے۔ پھر بات بدلنے کو بولی۔

''آپ کیا لکھ رہے ہیں آج کل؟''

زیاد نے گہری سانس لے کر سر جھکا دیا۔ وہ چمچ سے چاول ادھر ادھر مکس کرنے لگا۔

''میں آج کل رائٹرز بلاک کا شکار ہوں۔ پاکستان آیا تھا کہ یہاں بیٹھ کے شاید کچھ لکھ سکوں۔ لیکن نہیں لکھ پا رہا۔''

''کیا لکھنا چاہ رہے ہیں آپ؟''

زیاد نے آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔

''وہی جو سب شوق سے پڑھتے ہیں۔ ایک عظیم لو اسٹوری۔''

اس نے دیکھا' زیاد سلطان کی آنکھیں اداس تھیں۔ ایسی آنکھیں جن کو محبت کے ہیپی اینڈنگ پہ بھروسہ نہیں ہوتا۔ اسے نگینہ آنٹی کی باتیں یاد آئیں۔

''آپ کی سپر پاور کیا ہے؟''

''میری سپر پاور؟'' وہ حیران ہوا۔

''ہاں نا۔ ہر شخص کی ایک سپر پاور ہوتی ہے۔ آپ کس چیز میں اچھے ہیں؟ اگر آپ لو اسٹوری لکھنے کے بجائے وہ لکھیں جس میں آپ اچھے ہیں تو آپ کا یہ بلاک ختم ہو جائے گا۔''

''ہوں۔'' وہ مسکراہٹ دبائے سوچنے لگا۔ پھر اطراف میں نگاہ دوڑائی۔ ''میں رائٹر ہوں۔ اور میرا مشاہدہ اچھا ہے۔ میں وہ نوٹ کرتا ہوں جو کوئی اور نوٹ نہیں کرتا۔''

''میں کیسے مان لوں؟''

''آزما کے دیکھ لیں۔''

''اچھا؟'' وہ اس کے چیلنج پہ مسکرائی۔ ''یہ جو سامنے لڑکی جا رہی ہے۔ اس کے بارے میں کچھ بتائیں۔''

نگاہوں سے اسٹیج کی طرف اشارہ کیا۔ وہاں عزہ کی بہن ویٹرز کو ہدایات دیتی نظر آ رہی تھی۔ زیاد نے اس طرف دیکھا۔

''اس کے پیر میں ہائی ہیلز کی وجہ سے درد ہے اور وہ شدید اَن کمفرٹیبل ہے۔'' پھر زیاد نے چہرہ گھما کے اگلا ہدف ڈھونڈا۔ ''وہ ویٹر جوٹرے اٹھائے جا رہا ہے' اس کی ابھی ابھی بے عزتی کی گئی ہے کیونکہ اس کے کان اور گال سرخ ہو رہے ہیں۔''

''آپ خود سے بنا رہے ہیں۔ آپ جانتے ہیں' میں ان باتوں کی تصدیق نہیں کر سکتی۔''

''نہیں۔ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ مثلاً آپ...'' اس نے ایک نظر غور سے کشمالہ کو دیکھا۔ اس کو اپنے دل کی دھڑکن بے ترتیب ہوتی محسوس ہوئی۔ کوئی سحر سا تھا اس شخص کی آنکھوں میں۔

''آپ کے بارے میں کچھ بتاؤں؟''

''بتائیں۔'' لیکن وہ اندر سے خائف ہوئی۔ کہیں وہ جان نہ لے کہ وہ اس سے کتنا متاثر ہو رہی ہے۔

''آپ کی گردن یا سر کے پچھلے حصے میں درد ہے۔ آپ گردن اس طرف نہیں موڑ رہیں اور بار بار ہاتھ سے پیچھے دباتی ہیں۔''

وہ جھینپ کے ہنس دی۔ ہاتھ نیچے کیا۔

''او کے مان لیا۔'' تسلیم کرنے کے انداز میں سر ہلایا۔

''تھینک یو۔'' زیاد کے چہرے پہ حیران سی ممنونیت تھی۔ ''آپ کی اس نصیحت نے میری مدد کی ہے۔ شاید مجھے وہ نہیں لکھنا جو مجھ سے میری ایڈیٹر لکھوانا چاہتی ہے۔ بلکہ مجھے وہ لکھنا چاہیے جو میں انجوائے کروں گا۔''

وہ مسکرا دی اور پیالہ لیے آگے بڑھ گئی۔

دور کسی سے بات کرتی کبیرہ بیگم نے غور سے ان دونوں کو باتیں کرتے دیکھا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ صبح بخت بی کے رونے کی آوازوں سے اٹھی۔ پہلے کچھ دیر تو بستر میں لیٹی پلکیں جھپک جھپک کے چھت کو دیکھے گئی۔ جب سے کام کرنا چھوڑا تھا' دن رات کا کوئی حساب نہیں تھا۔ ایک عجیب سی مایوسی ذہن پہ چھائی تھی۔ کام کرنے والی لڑکی کے لیے فارغ گھر بیٹھنا بہت مشکل تھا۔ خیر۔ آج وہ اپنے بزنس پلان پہ کام شروع کرے گی۔ ایک آئیڈیا آیا تھا اس کے ذہن میں۔

وہ بالوں کو جوڑے میں لپیٹتی باہر آئی تو بخت بی آنسو بہاتے ہوئے حورِ جہاں بیگم کو اپنی بیٹی کا قصہ سنا رہی تھی۔ وہی روایتی کہانی۔ شوہر کام نہیں کرتا۔ نشہ کرتا ہے۔ سارا دن گھر میں پڑا رہتا ہے۔ اور بیٹی کو مارتا ہے۔

''بخت بی۔'' اس نے پیچھے سے بخت بی کے دونوں کندھوں پہ ہاتھ رکھا اور سر جھکا کے نرمی سے تسلی دی۔ ''آپ اپنی بیٹی سے کہیں کہ وہ اسٹینڈ لے۔ ہم اس کے ساتھ ہیں۔''

بخت بی نے اپنا سانولا کھردرا ہاتھ اس کے ہاتھ پہ رکھ دیا۔ ''وہ ڈرتی ہے جی۔''

مالا سیدھی کھڑی ہوئی اور افسوس سے بولی۔ ''واقعی۔ وہ بھی کیسے اسٹینڈ لے؟ جب تک عورت کے پاس تعلیم اور مالی خودمختاری نہیں ہوگی تب تک وہ ایسے ہی پٹتی رہے گی۔''

''مالا ٹھیک کہہ رہی ہے بختو۔'' ماں کے ماتھے پہ بل تھے۔ اور وجود میں جلال میں آیا ہوا تھا۔ وہ گود میں سبزیوں کی پرات رکھے تخت پہ بیٹھی تھیں۔ چھری والا ہاتھ اونچا کر کے بولیں۔ ''بیٹیوں کی طرح پالا ہے میں نے نسیم کو۔ اسے کہو میرے پاس آجائے۔ وہ اکیلی نہیں ہے۔ ہم اس کے سائیں بیٹھے ہیں ادھر۔''

وہ کچن میں آئی تو ڈرٹی کچن کی طرف کھلتا دروازہ نیم وا تھا۔ کیف وہاں کافی بناتا نظر آ رہا تھا۔ آہٹ پہ پلٹا اور اسے وہاں کھڑے دیکھا۔

وہ خوابیدہ آنکھیں لیے بالوں کا گول مول جوڑا بنائے ہوئے تھی۔ رات والا میک اتارنے کے باوجود آنکھوں کے گرد ہلکی سی سیاہی تھی۔

''کافی بناؤں آپ کی؟'' وہ نظریں موڑ کے دوسری طرف پلٹ گیا۔

''ہاں پلیز۔'' توقف کیا۔ اور آواز آہستہ کی۔ ''پھر؟ کچھ نکالا لائٹر سے؟''

''اونہوں۔ عام سا لائٹر ہے۔ کچھ نہیں ہے اس میں۔'' وہ کین سے کافی بینز نکالتے ہوئے بولا۔ اس کے ہاتھ تیز تیز چل رہے تھے۔

''مالی خودمختاری اور تعلیم... آپ کے خیال میں یہ چیزیں عورت کو ابیوز ہونے سے بچا سکتی ہیں؟''

فلٹر پیپر لگا کے کافی بینز اندر ڈالے۔ پھر اس کمپارٹمنٹ کو کھڑک کر کے بند کیا اور مشین آن کر دی۔

''تمہیں اختلاف ہے؟'' مالا کو تعجب ہوا۔

کیف اس کی طرف پلٹا۔ کاؤنٹر سے ٹیک لگائی اور سینے پہ بازو لپیٹ لیے۔ جوگرز کی قینچی بنالی۔

''ساری لڑکیاں ابیوز ہوتی ہیں باس۔ بخت بی بی کی بیٹی اپنے شوہر کے ہاتھوں اور ایلیٹ کلاس کی لڑکی اپنے

بوائے فرینڈ کے ہاتھوں۔"

"یہ دونوں باتیں مختلف ہیں۔" کافی میکر سے پانی ابلنے کی آواز آ رہی تھی۔ سارے میں کافی کی خوشبو پھیل گئی تھی۔

"اونہوں۔ ایک ہی بات ہے۔ غریب کی لڑکی چائے دیر سے لائے تو شوہر کا موڈ خراب ہوتا ہے۔ وہ اس کو مارتا ہے۔ امیر کی لڑکی پارٹنر کے ساتھ ڈرگز نہ کرے تو پارٹنر کا موڈ خراب ہو جاتا ہے۔ اس کو خوش رکھنے کے لیے وہ ڈرگز پہ لگ جاتی ہے۔ دونوں ابیوز ہوتی ہیں۔ غریب لڑکی بھی۔ اور امیر پڑھی لکھی لڑکی بھی۔"

"تو وجہ کیا ہے؟"

"وجہ یہ ہے باس کہ کسی نے عورتوں کو نہیں سکھایا کہ مردوں کے ساتھ کیسے رہنا ہے۔ اور کسی نے مردوں کو نہیں سکھایا کہ عورتوں کے ساتھ کیسے رہنا ہے۔ کافی۔" گرم مگ اس کی طرف بڑھایا۔

"انٹرسٹنگ۔ خیر... آج جیولرز پہ چلنا ہے۔"

"گولڈ لینا ہے تو چند دن ٹھہر جائیں۔" وہ اب اپنی کافی کے لیے فریش بینز ڈال رہا تھا۔ "تولہ ابھی ایک لاکھ سترہ ہزار کا ہے۔ ایک ہفتے میں یہ نوے ہزار تک گرے گا۔"

"تمہیں کیسے پتہ؟"

"کیف نے شانے اچکائے۔ "مجھے پتہ ہوتا ہے۔"

"چلیں آپ کی اطلاع کے لیے، مجھے بھی معلوم ہے کہ گولڈ گرنے والا ہے۔ میں نے خریدنا نہیں بیچنا ہے۔ کچھ bricks ہیں میرے پاس گولڈ کی۔ ان کو بیچ کے نیا کام شروع کرنا ہے۔"

اسی اثناء میں بخت بی کچن میں داخل ہوئیں۔ ایک نظر درمیانی دروازے کو دیکھا جو کھلا تھا اور پھر دوسری خشمگیں نظر کیف پہ ڈالی۔

"تمہارا کام ختم ہو گیا ہے تو کھڑے کیوں ہو؟"

کیف نے اپنا مگ اٹھاتے ہوئے فریج کی طرف اشارہ کیا۔

"میں کشمالہ بی بی سے کہہ رہا تھا کہ پتہ نہیں کون ناسمجھ ہے جو ڈبل روٹی کو فریج میں رکھ دیتا ہے۔ حالانکہ فریج میں رکھنے سے ڈبل روٹی جلدی خراب ہوتی ہے۔ اس کو ہمیشہ باہر روم ٹمپریچر پہ رکھتے ہیں۔" معصومیت سے کہہ کے اپنا مگ لیے باہر نکل گیا۔ بخت بی نے پیر پٹخا۔

''میں بتا رہی ہوں مالا باجی' یہ ڈرائیور کم اور وارداتیا زیادہ لگتا ہے مجھے۔''

وہ دل کھول کے ہنس دی۔ تبھی فون پہ ماہی کی کال آنے لگی۔ وہ بھی اپنا مگ لیے پچھلے دروازے کی طرف چلی گئی تاکہ لان میں جا کے تسلی سے ماہی سے بات کر سکے۔ یہاں بات کرتی تو لاؤنج میں ماں تک آوازیں جاتیں۔

''کل کی شادی کیسی رہی؟ تم لوگوں نے مجھے واپس آ کے فون ہی نہیں کیا۔'' ماہی الگ ناراض تھی۔

''تھک گئے تھے نا رات میں۔ اب سناتی ہوں سارے قصے۔'' وہ پچھلی گیلری میں مگ لیے آگے بڑھ رہی تھی۔ کیف بھی وہیں جا رہا تھا۔ آہٹ پہ رک کے ایک طرف ہو گیا۔ اس کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔

''پہلے یہ بتاؤ' زیاد کا کیا سین ہے؟ ماں بڑا ذکر کر رہی تھیں اس کا۔ کیسا ہے وہ؟'' ماہی کا لہجہ تفتیشی تھا۔ مالا مسکرا دی۔

''زیاد؟ ہوں۔'' مسکرا کے فون کان اور کندھے کے درمیان لگائے وہ آگے جا رہی تھی۔ ''ٹال' ڈارک اینڈ ہینڈسم۔''

وہ آگے نکل گئی اور کیف چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دور جاتے دیکھتا رہا۔

''صرف ٹال اور ڈارک تھا۔ ہینڈسم کہاں سے تھا؟ ہونہہ۔'' منہ میں بڑبڑایا۔

اگلا آدھا گھنٹہ وہ لان میں بیٹھی کافی پیتے ہوئے ماہی کو ساری شادی کا قصہ سنائے گئی۔ کس نے کیا پہنا۔ کون کون آیا۔ کون پہلے ملا اور کون نہیں ملا۔ اور ماہی کا فیورٹ سوال۔ کھانے میں کیا تھا؟

کال بند ہوئی تو اس نے دیکھا' ماں اب لان میں چلی آ رہی تھیں۔ ماں اس وقت پودوں کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ اپنے فربہ وجود کے ساتھ اب وہ قدم قدم چلتے ہوئے بوگن ویلیا کے درختوں کا معائنہ کر رہی تھیں۔ ہاتھ میں تسبیح تھی جس کے دانے بھی ساتھ ساتھ گر رہے تھے۔

''ادھر آؤ۔'' ماں کی نظر اس پہ پڑ گئی جو گارڈ روم کے ساتھ کرسی پہ بیٹھا لیپ ٹاپ پہ لگا تھا۔ دو انگلیوں سے اشارہ کر کے اسے بلایا۔

کیف نے پہلے دائیں بائیں دیکھا۔ وہاں اور کوئی نہیں تھا۔ وہ اسے ہی بلا رہی تھیں۔ پھر لیپ ٹاپ رکھ کے اٹھا۔ اور سیدھا ان کی طرف آیا۔

''کیا نام ہے تمہارا؟''

''کیف جمال۔''

''کب سے تم نے پودوں کو پانی نہیں لگایا۔ تنخواہ کس بات کی لیتے ہو؟''

''ابھی لگا دیتا ہوں۔''

''اب کیوں؟ شام میں یا صبح میں لگاتے ہیں پانی۔'' وہ بڑبڑا کے پودوں کی طرف مڑ گئیں۔ وہ متذبذب سا کھڑا رہا۔ جائے یا رکا رہے۔

وہ جو مسکرا کے یہ سب دیکھ رہی تھی' اٹھ کے ان کی طرف آ گئی۔

''ماں... سلیم لگا دے گا پودوں کو پانی۔ کیف کو اپنے کام کرنے ہوتے ہیں۔ اس کو جانے دیں۔''

ماں نے سنا نہیں۔ ہاتھ پہلوؤں پہ رکھے' پودوں کا جائزہ لیتے ہوئے برہمی سے بولیں۔

''ویسے یہ ظہیر انتہائی ناشکرا آدمی ہے۔''

''اُف ماں۔ اس کا کیا ذکر یہاں۔'' وہ کراہی۔

''پرسوں چارسدہ سے گڑ آیا تھا۔ میں نے اسے بھجوایا۔ کل اس کو مل بھی گیا لیکن مجال ہے کہ اس نے شکریے کا فون کیا ہو۔''

مالا کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ وہ ساکت رہ گئی۔

''واٹ؟ ماں آپ نے... ظہیر کو گڑ بھجوایا ہے؟''

وہ تینوں بوگن ویلیا کے گلابی پھولوں والے درخت کے ساتھ کھڑے تھے۔ کیف خاموشی سے باری باری دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

''کیوں؟ ہمیشہ بھیجتی ہوں۔ اب نیا کیا ہے۔'' وہ چڑچڑی لگ رہی تھیں۔

کشمالہ مبین کو جلدی غصہ نہیں آیا کرتا تھا۔ وہ یا تو ہنس دیتی یا تحمل سے بات بدل دیا کرتی تھی۔ یا اس جگہ سے اٹھ جایا کرتی تھی۔ لیکن یہ اس کی برداشت سے باہر تھا۔ اس کا چہرہ سرخ ہونے لگا۔

''ماں آپ نے یہ کیا کیا؟ وہ کیا سوچے گا؟'' اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

''اس کو شکریہ کہنے کی توفیق پھر بھی....''

''ماں آپ میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتی ہیں۔ آپ کو میرے کام کی نہیں سمجھ آتی مان لیا۔ لیکن میری عزت بے عزتی کا خیال تو کرنا تھا۔ اچھا شرمندہ کروایا ہے آپ نے مجھے۔'' اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ ''اس آدمی نے میرے ساتھ اتنا بڑی زیادتی کی اور آپ اس کو گڑ بھیج رہی ہیں۔ وہ سمجھے گا میں اس کی منت کر رہی ہوں اب۔ واٹ

واہیل ماں۔"

ماں نے ایک خفا نظر اس پہ ڈالی اور سر جھکا لیا۔ کسی معصوم بچے کی طرح جس کی چوری پکڑی گئی ہو۔ پھر کیف سے آہستہ سے بولیں۔

"میری ٹانگیں درد کر رہی ہیں۔ مجھے ادھر کرسی لا دو۔"

مالا پیر پٹخ کے اندر چلی گئی۔ کمرے میں آ کے اس نے دروازہ بند کر دیا۔ اور وہ جو اتنے دنوں سے آنسو روکے ہوئے تھے وہ ایک دم بہنے لگے۔

بے روزگاری کا احساس۔ بیکار ہونے کا گلٹ۔ تاریک نظر آتا مستقبل۔ راکھ ہوا کیریئر۔ وہ اتنے سالوں سے اپنا کماتی اور خرچ کرتی آئی تھی۔ وہ کسی پہ بوجھ نہیں تھی۔ لیکن اگر اس کا نیا کام نہ چلا تو وہ اپنے بلز خود نہیں بھر سکے گی۔ کیسی بے بسی ہو گی یہ۔

سب کچھ ایک دم سے حواسوں پہ سوار ہوا تھا۔ وہ بیڈ پہ بیٹھی روتی رہی۔ ماں کو کبھی اس کے کام کی سمجھ نہیں آتی تھی۔ بس معید کی ڈاکٹری ان کو کوئی کام لگتا تھا۔ باقی مالا اور ماہی کی پڑھائی تو بس شغل تھی جیسے۔

اسے ماں پہ بیک وقت غصہ بھی آ رہا تھا اور اپنی بے بسی پہ رونا بھی۔ ماں کے ساتھ مسئلہ کیا تھا۔ خوامخواہ ان کو سب کو سوغاتیں بھیج کے اچھا بننے کا شوق تھا۔ وہ اٹھی اور اپنا بیگ پیک کرنے لگی۔ وہ آج ہی اسلام آباد واپس جا رہی تھی۔ بس یہ طے تھا۔

کیف کی کال آ رہی تھی۔ اس نے غصے میں کاٹ دی۔ وہ دوبارہ کال کرنے لگا۔ اس نے جھنجھلا کے کال اٹھائی۔

"باہر آئیں۔ آپ سے بات کرنی ہے۔" اس کا لہجہ سنجیدہ تھا۔ اس نے آنسو رگڑ کے پونچھ ڈالے۔ آج یہ بھی اس سے کچھ سنے گا۔

وہ باہر آئی تو ماں لان میں کرسی پہ بیٹھی تھیں۔ سر جھکائے موبائل پہ بٹن دبا رہی تھیں۔ وہ ان کو نظر انداز کر کے پورچ کی طرف آ گئی جہاں اوپر جانے کا بیرونی زینہ بنا تھا۔ وہاں کیف کھڑا تھا۔ ریلنگ سے ٹیک لگائے' ایک جوگر زمین پہ اور ایک جوگر اوپری زینے پہ رکھے۔ سینے پہ بازو لپیٹے۔ وہ اس کا منتظر تھا۔

"ادھر آ کے بیٹھیں اور میری بات سنیں۔" اس کی روئی روئی گلابی آنکھیں دیکھ کے سنجیدگی سے بولا۔ سامنے ایک خالی کرسی رکھی تھی۔ وہ ناک سکوڑ کے گیلی سانس اندر کھینچتی کرسی پہ آ بیٹھی۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔

"کیا مسئلہ ہے؟" لہجہ سخت تھا۔

''میں ابھی سن رہا تھا جو آپ اپنی ماں سے کہہ رہی تھیں۔'' وہ کھنکھارا۔ کشمالہ کے ماتھے پہ شکنیں ابھریں۔

''کیف تم اپنے کان اور منہ بند کرنا سیکھو۔ مجھے بالکل پسند نہیں ہے کہ تم میرے گھر کی باتیں سنو یا ان پہ تبصرہ کرو۔''

وہ سنجیدگی سے اسے دیکھے گیا۔ پھر بولا تو آواز آہستہ تھی۔

''اپریل میں گرٹ نہیں ہوتا' کشمالہ بی بی۔ چار سدہ کا گرٹ سیزن مارچ میں ختم ہو جاتا ہے۔''

وہ ایک دم بالکل ٹھہر گئی۔ ساکن۔ ہوا رک گئی۔ شاید اس کا سانس بھی۔

''میں نے سلیم سے پوچھا ہے۔ فروری کے بعد چار سدہ سے کوئی گرٹ نہیں آیا نہ آنٹی نے کسی کو بھیجا ہے۔''

وہ اس کی آنکھوں کو بغور دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

اور تب اسے یاد آیا۔ ماں نے ظہیر کو جنوری میں گرٹ بھیجا تھا اور اس نے شکریے کا فون نہیں کیا تھا۔

کیف پہلے زینے پہ بیٹھ گیا اور اسی سنجیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے بات جاری رکھی۔

''آنٹی نے مجھ سے چار دفعہ پوچھا ہے کہ میں کون ہوں۔ وہ اپنی بات بار بار دہراتی ہیں۔ اور وہ چیزیں بھول رہی ہیں۔ ان کے ذہن میں نئی یادداشتیں نہیں بن رہیں۔ یا شاید وہ وقت کا حساب کھو رہی ہیں۔''

پورچ کی فضا بالکل ساکن تھی۔ نہ وہاں پھولوں کی خوشبو تھی نہ پودوں کا سبزہ۔ ہر شے کو زوال آ گیا تھا۔

''کشمالہ...'' اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ ٹھہر ٹھہر کے بولا۔

''آپ کی ماں بیمار ہیں۔''

اس کا چہرہ سفید پڑتا گیا۔ جیسے کسی برفانی رات میں گھر سے باہر گم ہو جانے والے کا ہوتا ہے۔ نہ جان تھی۔ نہ سانس تھی۔

وہ کسی خواب کی سی کیفیت میں اٹھی۔ قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔

(یونیورسٹی' کالج' کتابیں... سب یہ سکھاتے ہیں کہ کامیاب کیسے ہونا ہے۔ کوئی یہ کیوں نہیں سکھاتا کہ ناکام کیسے ہونا ہے؟)

وہ گھاس پہ قدم اٹھاتی لان چیئرز کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

ماں وہاں اکیلی بیٹھی تھیں۔ سر جھکائے موبائل پہ لگی تھیں۔

(کوئی یہ کیوں نہیں سکھاتا کہ جاب چلی جائے گی تو کیا کرو گے؟ ناکام ہو جاؤ گے تو کیا کرو گے؟)

ماں کے ماتھے پہ پسینہ آیا ہوا تھا جسے وہ دوپٹے کے کنارے سے پونچھ رہی تھیں۔

(دل ٹوٹے گا تو کیا کرو گے؟ مستقبل تاریک نظر آئے گا تو کیسے آگے بڑھو گے؟)

وہ ان کے ساتھ کرسی پہ بیٹھی اور غور سے ان کا چہرہ دیکھا۔ وہ خوبصورت باوقار چہرہ آج بوڑھا لگ رہا تھا۔ جھریاں بڑھ گئی تھیں۔ بائیں جانب سے ہونٹوں کے قریب کی جلد لٹک سی گئی تھی۔

(کوئی یہ کیوں نہیں سکھاتا کہ ماں بیمار ہو جائے گی تو کیا کرو گے؟)

وہ شاید ماہی کو میسج لکھ رہی تھیں۔ آہستہ آہستہ ٹائپ کرتی تھیں۔ مالا نے نرمی سے انگلیوں کی پشت ان کے گال پہ پھیری۔ انہوں نے چونک کے اسے دیکھا۔

''ماں۔'' اس نے گیلی آواز میں پکارا۔ ''آپ نے ظہیر کو گڑ بھیجا تھا؟''

''میں نے؟ نہیں تو۔'' انہوں نے حیرت سے نفی میں دائیں بائیں سر ہلایا۔ اس حرکت میں ایک بے بس سی معصومیت تھی۔ آنکھوں میں کچھ کھوئے کھوئے سے ہونے کا احساس تھا۔ ''گڑ تو سردیوں میں ہوتا ہے مالا۔''

وہ نرمی سے ان کے چہرے پہ انگلیوں کی پشت پھیر گئی۔ کچھ مختلف سا تھا ان کے چہرے میں۔

(کوئی یہ کیوں نہیں سکھاتا کہ ماں بیمار ہو جائے گی تو کیا کرو گے؟)

مگر کشمالہ مبین کو معلوم تھا کہ اس نے کیا کرنا ہے۔ وہ حورِ جہاں کی بیٹی تھی۔ اس کے راستے متعین ہو چکے تھے۔

''ہم اسلام آباد واپس نہیں جا رہے۔ میں یہیں رہوں گی۔'' وہ سیڑھیوں کے ساتھ کھڑا تھا جب وہ اس کے پاس آئی اور اسے اپنا فیصلہ سنایا۔ ''تم جانا چاہو تو تمہاری مرضی ہے۔ میں کسی اور کا بندوبست کر لوں گی۔''

جو فیصلہ پانچ برس میں نہیں ہو سکا وہ پانچ منٹ میں ہو گیا تھا۔

''میں کہیں نہیں جا رہا۔ میرے گھر میں کوئی ایسا نہیں ہے جو مجھے مس کرے۔ میں نے جو وعدہ آپ سے کیا ہے وہ میں پورا کروں گا۔ میں یہیں ہوں آپ کے ساتھ۔''

کیف کو دیکھتی اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ اس نے بس اثبات میں سر ہلا دیا اور واپس مڑ گئی۔ اس کی انگلیاں ماہی کو میسج لکھ رہی تھی۔ وہ میسج جو کوئی انسان اپنے ماں باپ کے بارے میں نہیں پڑھنا چاہتا۔

''ماہی۔ ماں بیمار ہیں۔ ان کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے۔ شاید الزائمرز۔ تم پاکستان آ جاؤ۔ فوراً۔''

چلی ویک کے اس چھوٹے سے گھر کے لاؤنج میں صوفے پہ نیم دراز ماہ بینہ کا فون بجا تو اس کی آنکھ کھلی۔ وہ ٹی وی دیکھتے دیکھتے سو گئی تھی۔ وہ چونک کے سیدھی ہوئی۔ موبائل اٹھا کے دیکھا۔

وہ ایک میسج اس کی جان نکال گیا۔وہ تیزی سے اٹھی۔پیروں میں جوتے گھسیڑے اور کھڑی ہوئی۔اور تب ہی اسے ایک عجیب سا احساس ہوا۔

اس کو شدید تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔اتنی شدید کہ حد نہیں۔وہ کھڑی ہوئی اور سفید صوفے کو دیکھا جس پہ وہ سو گئی تھی۔وہاں خون کے دھبے تھے۔اس کے لباس پہ بھی خون تھا۔نچلے وجود میں تکلیف بڑھتی جا رہی تھی۔

''ماں۔'' تکلیف میں اس کے لبوں سے یہی نکلا۔وہ دوہری ہو کے بیٹھتی گئی۔اور پھر دوسرا احساس زیادہ جان لیوا تھا۔

''میرا بچہ۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(اگلی قسط آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

ناولز کی دُنیا
Novels Ki Duniya